ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

12

20تا26مارچ2012ء/26ربیع الثانی تا2جمادی الاُولیٰ1433ھ

فیصلہ کن سوال!

کسی بھی جاہلیت کی پوجا پاٹ کی رسموں پر جب غور کیا جائے اور پھر سوچا جائے کہ آیا لوگوں کو اسلام کی راہ پر چلنا ہے یا جاہلیت کی راہ پر، تو ایک سوال سامنے آتا ہے کہ حیاتِ انسانی میں فیصلہ کن طاقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ آج اللہ وحدہٗ لاشریک کی طاقت فیصلہ کن ہے، جیسا کہ اس کی شرع وقانون کا فیصلہ ہے، یا فیصلہ اور قانون انسانوں کے ہاتھوں میں ہے کہ اپنے لیے جو احکام وشرائع اور اوضاع واطوار، رسومِ عبادت، قدروقیمت کے پیمانے اور نیکی بدی کی میزان چاہیں بنالیں؟ یا بالفاظ دیگر الوہیت کس کی ہے؟ آیا الوہیت اللہ کی ہے یا انسانوں پر انسانوں کی یا اس کی مخلوق میں سے کسی اور کی ہے۔ یہی ایک بنیادی فیصلہ کن سوال ہے جس کے جواب پر کائنات کے سب سے بڑے مسئلے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نصِ قرآنی صراحت و وضاحت کے ساتھ غیر اللہ کے ہاتھ میں زندگی کے قوانین ہونے کا رد کرتی ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

پاکستان رے پاکستان.......

نفس کے خلاف جہاد

بلوچستان: اصل مسئلہ اور حل

حل کیا ہے؟

اسلامی انقلاب کے لیے منہج انقلاب نبویؐ ناگزیر ہے!

پاکستانی میڈیا: ملک اور دین کا دوست یا......؟

اشارہ

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

الھدیٰ (505)

سورۃ ہود

(آیات 58 تا 61)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۸ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ
عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝۶۰ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝۶۱

’’اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا۔ اور انہیں عذاب شدید نجات دی۔ یہ (وہی) عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کا کہا مانا۔ تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا۔ تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک (بھی) ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا (بھی) ہے۔‘‘

ہود علیہ السلام کی قوم عاد کہلاتی ہے۔ جب عاد کی سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے اُس پر عذاب نازل کیا۔ یہ آندھی کا عذاب تھا۔ چنانچہ سات رات اور آٹھ دن مسلسل زوردار آندھی چلتی رہی۔ جس سے مکان گر گئے، چھتیں اڑ گئیں اور درخت اکھڑ گئے۔ اس ہولناک عذاب سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے صاحب ایمان ساتھیوں کو بچا لیا۔ عاد بڑی زبردست قوم تھی، مگر انہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور سرکش اور مخالف لوگوں کی پیروی کی۔ چنانچہ اس دنیا میں بھی اُن کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن کے لیے بھی۔ قوم عاد پر آنے والے عذاب سے جو لوگ بچ گئے وہ حجر کے علاقہ میں جا کر آباد ہوئے۔

بعد ازاں حجر میں ثمود نام کی ایک قوم اُبھری اور اُن کے اندر بھی وہی خرابیاں آ گئیں۔ انہوں نے بھی بت تراشے اور اُن کو معبود پکڑا۔ چنانچہ ثمود کی طرف اللہ نے اُن کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ لوگو اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، اس نے تمہیں زمین سے اُٹھایا ہے اور اس میں تم کو آباد کیا ہے۔ تو اس سے استغفار کرو، اس سے اپنے گناہ بخشواؤ اور اسی کی جانب رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جنت اللہ کے فضل سے ملے گی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((لَنْ یُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ)) قَالُوا وَلَا أَنْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ((لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ یَتَغَمَّدَنِی اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَلَا یَتَمَنَّیَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ یَزْدَادَ خَیْرًا وَإِمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ یَسْتَعْتِبَ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ’’کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔‘‘ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ’’نہیں میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت (کے دامن) میں ڈھانپ لے۔ اس لئے تم میانہ روی اختیار کرو، اور اللہ کا قرب طلب کرو، اور تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (اس لئے کہ) یا تو نیکوکار ہو گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکی میں اضافہ کرے اور اگر بدکار رہے تو امید ہے کہ وہ توبہ کر لے۔‘‘

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان رے پاکستان......

اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کَل سیدھی۔ یہ ضرب المثل اس وقت جس طرح پاکستان پر منطبق ہورہی ہے شاید ہی کسی فرد، گروہ، معاشرہ، ریاست اور کسی جاندار یا بے جان پر منطبق ہوتی ہو۔ ملک کا چیف ایگزیکٹو ملزم قرار دیا جاچکا ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ مجرم قرار دے دیا جائے گا۔ وہ عام جلسوں میں ایسے بیانات دے کر کہ نہیں مانوں گا ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کا حکم، عدالت کو اُس جگہ پر لے آیا ہے کہ عدالت کے پاس وزیراعظم کو سزا دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ اب بھی اگر عدالت وزیراعظم کو کوئی سزا نہیں سناتی تو گویا وہ دو سال سے جھک مار رہی ہے۔ اُس نے اپنا اور دوسروں کا محض وقت ضائع کیا، قوم کا بے بہا سرمایہ اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ لہٰذا کوئی غیبی ہاتھ ہی عدالت کو وزیراعظم کو سزا سنانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ ہم نے سزا دینے نہیں، سزا سنانے کی بات کی ہے۔ اس لیے کہ ہمارا آئین عجائباتِ زمانہ اور تضادات کا مجموعہ ہے۔ عدالت ایک مقدمہ کی سماعت اور فیصلے میں کئی سال لگائے۔ وقت، ذہانت، پیسہ انوسٹ ہو، کئی سو اور بعض اوقات کئی ہزار صفحات پر مشتمل فیصلہ لکھا جائے، مگر صدر پاکستان ایک سیکنڈ میں اس سزا کو کالعدم قرار دے سکتے ہیں۔ وزیراعظم یہ سب کچھ چونکہ صدر کو بچانے اور اُن کے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے کر رہے ہیں تو صدر بھی احسان کا بدلہ احسان سے چکانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ سزا کے اعلان سے پہلے صدارتی معافی نامہ اس ہدایت کے ساتھ تیار کیا جاچکا ہو کہ جونہی جج حضرات سزا کے لیے لب کشائی کریں یا اُن کا قلم کچھ تحریر کرے، وزیراعظم کی سزا کی معافی کا اعلان ایوانِ صدر سے جاری کر دیا جائے۔ اگرچہ convicet ہونے کی وجہ سے وہ ایک طویل پروسس سے گزر کر کسی عوامی نمائندگی اور سیاسی عہدہ کے لیے نااہل قرار دے دیے جاسکتے ہیں، لیکن تخت نشینی کا مسئلہ سر اُٹھاتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ زرداری صاحب کی سیاسی اور گیلانی صاحب کی صُلبی اولاد قومی اسمبلی میں موجود ہے۔ اس لیے تخت خالی نہیں رہے گا۔ البتہ یہ کہ گیلانی صاحب کی جگہ جس کے سر پر ہما بیٹھے گا وہ بھی سوئس حکام کو خط لکھنے سے انکار کر دے تو پھر یہ سلسلہ نہ جانے کب تک اور کہاں تک چلے گا۔ البتہ ناقابل فہم اور قابل تعجب بات یہ ہے کہ امریکہ اور مغرب کو اپنا مائی باپ اور اَن داتا جاننے والے، اُن کے معاشرے کو آل ٹائم مہذب ترین معاشرہ قرار دینے والے اور اُن کی اِتباع میں تمام حدود و قیود پھلانگ جانے والے اور اُن کی نقالی کو اپنے لیے سعادت خیال کرنے والے اِس معاملے میں اُن سے مختلف بلکہ دوسری انتہا پر کیوں نظر آتے ہے۔ اُن ''مقدس'' ممالک میں تو جونہی کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار پر الزام لگتا ہے، اگلا سانس لینے سے پہلے وہ اپنے عوامی یا سرکاری عہدہ سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیتا ہے اور یہاں شنید یہ ہے کہ کسی طاقتور ہاتھ نے نہ روکا تو سلاخوں کے پیچھے سے بھی وزارتِ عظمیٰ چلانے کے ارادے ہیں۔ پھر یہ کہ اِس مملکت خداداد کو یہی ایک مسئلہ نہیں ہے۔ مختلف مواقع پر آپ کو حکومت اپنی فوج اور فوج اپنی حکومت کے سامنے کھڑی نظر آتی ہے۔ حکومت کہتی ہے کہ منصور اعجاز شیطان کا چیلہ اور میمو گیٹ ردی کا غذ کا ٹکرا ہے۔ فوج اور آئی ایس آئی کہتی ہے میمو گیٹ ایک حقیقت ہے۔ فوج اب بھی بھارت کو دشمن نمبر ایک قرار دیتی ہے اور حکومت بھارت کو موسٹ فیورٹ نیشن قرار دیتی ہے۔ فوج ریمنڈ ڈیوس، 2 مئی کے سانحۂ ایبٹ آباد اور PNS مہران اور سلالہ پر حملے کے بعد امریکہ کو خفیہ طور پر ہی سہی دشمن قرار دیتی ہے اور اُس سے پرے ہٹنے کے اشارے دیتی ہے اور حکومت امریکہ سے کہتی ہے، سرکار، اگر آپ ساتھ دیں تو اُن چند جرنیلوں کو جو عالم پناہ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، اور آپ کے ایجنڈے کی تکمیل کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، اُن سے

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

20 تا 26 مارچ 2012ء — جلد 21
26 ربیع الثانی تا 2 جمادی الاُولیٰ 1433ھ — شمارہ 12

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

پاکستان کو نجات دلائی جاسکتی ہے۔

ایک اور عظیم کارنامہ دنیا کی کوئی اور حکومت سرانجام نہیں دے سکتی، یہ بیڑہ بھی موجودہ حکومت نے اُٹھایا ہے۔ وہ یہ کہ حکومت نے شاید پوشیدہ طور پر کوئی کمیٹی قائم کی ہوئی یا باقاعدہ سیل قائم ہے جو حکومت کو بڑی تندہی سے اور بڑے فعال انداز میں مطلع کرتا رہتا ہے کہ عوام کے جسد میں کہاں کہاں ابھی خون بچا ہے جو نچوڑا جاسکتا ہے اور کس حوالہ سے عوام ابھی ریلیف محسوس کر رہے ہیں۔ لہٰذا فعال حکومت فوراً از خود نوٹس لے کر قدم اُٹھاتی ہے اور اُسی جگہ عوامی جسد پر حملہ آور ہو کر خون نچوڑنے اور ریلیف ختم کرنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ہر ماہ یوٹیلیٹی بلز اور تیل و گیس کی قیمتوں میں اضافہ اِسی فعالیت کی نشان دہی کرتا ہے۔ کئی ارب روپے کے حکومت روزانہ نوٹ چھاپ رہی ہے اور بانڈز کے نام پر کاغذ فروخت کر کے عوام کی امارت میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ بجلی گیس کی قیمتیں اور شرح سود بلند ترین سطح پر رکھ کر صنعتکاروں اور تاجروں کو کاروبار کی مصیبت اور مسائل سے نجات دلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ ہمارے بہت سے سرمایہ دار اپنا سرمایہ غیر ممالک میں منتقل کر رہے ہیں۔ پی آئی اے، ریلوے، سٹیل ملز، این آئی ایل سی اور دوسرے بڑے بڑے ادارے جان بلب ہیں۔ لہٰذا ہماری جان اُن سے جلد چھوٹ جانے والی ہے۔ ہماری اسمبلیوں میں عوامی بہبود کے لیے قانون سازی نہیں بلکہ این آر او، میموگیٹ اور مہران بنک سکینڈل کا ہنگامہ برپا ہے۔ فوج بڑی محنت، تگ و دو اور لگن سے ملک بھر میں ڈیفنس کالونیاں بنا رہی ہے۔ ہم جنگی مشقیں نہیں کنسٹرکشن کی مشقیں کرتے ہیں۔ جدید دفاعی اور عسکری ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی بجائے ہم نئے ماڈل کی گاڑیوں اور اعلیٰ ترین معیار کے واش رومز بنانے میں مصروف ہیں۔ یہ حال پاکستان کے معماروں کا ہے اور پاکستان کے مزدور یعنی عوام الناس اگرچہ دن بھر اپنے حکمرانوں کو گالیاں دیتے ہیں اور جھولیاں اُٹھا اُٹھا کر بددعائیں دیتے ہیں لیکن ووٹ پھر اُن ہی کو دیتے ہیں اور جس کسی کا داؤ چل جائے وہ وہی کچھ کرتا ہے یا کرنے کا مصمم عزم رکھتا ہے جو کچھ گالیاں کھانے والے اور بددعائیں لینے والے کر رہے ہیں۔ رہ گئے ہم مذہبی لوگ تو قوم اور حکمرانوں کے کردار کو پیش نظر رکھ کر اِن کی عظیم اکثریت کے بارے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بڑے میاں سو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ اگرچہ اِن میں خال خال ڈھونڈنے سے ایسے ایسے ہیرے اور موتی دستیاب ہو جاتے ہیں کہ دنیا ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ شاید ایمان و یقین کے یہ پہاڑ ہی کسی بڑے سانحہ کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ بہرحال مذہبی لوگوں سمیت پوری قوم سورۃ الصف کی اِس آیت کی زد میں ہے: (ترجمہ) کیوں کہتے ہو، وہ بات جو کرتے نہیں ہو؟'' اور اگر کسی نے یہ جاننا ہو کہ اس دوڑ میں سب سے آگے کون ہے تو یہ کوئی مشکل نہیں میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا سب سے آگے ہے۔ پاکستان کا میڈیا دنیا کا واحد میڈیا ہے جو حکومت نہیں ریاست کے باغیوں کو سر پر بٹھاتا ہے، جو ہر وقت سربازار گندے کپڑے دھوتا نظر آتا ہے، جسے یا تو معلوم ہی نہیں کہ اِس ملک کی بنیاد اور اساس کیا ہے یا وہ غیروں کے ایجنڈے پر بڑی دیانت داری سے عمل پیرا ہے۔ حیرت ہے اور حد درجہ حیرت کی بات ہے کہ قرارداد مقاصد پاکستان کے آئین کا باقاعدہ حصہ ہے اور میڈیا علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی قانون کی بالادستی کا شور مچانے والے آئین کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ پاکستان کا تاجر کہتا ہے مراعات دو، سڑکیں پل بناؤ، ٹیکس نہ مانگو اور حکومت کہتی ہے، ٹیکس دو، حساب نہ مانگو۔ اربوں کی کرپشن کی خبریں اور میرٹ کی دھجیاں بکھیرنا ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکا ہے اور ایسی خبروں پر اب ہم آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور نہ ہماری سماعت پر گراں گزرتی ہیں۔

آخر میں ہم آپ کو اس نرالی ریاست کے ایک بیرون ملک مقیم شہری سے ملاتے ہیں جن پر ریاست میں ایک سو سے زائد مقدمات درج ہیں، جن میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے مقدمات بھی ہیں۔ کوئی اور ملک ہوتا تو حکمران اُسے انٹر پول کے ذریعے گرفتار کر کے ملک میں لاتے اور عدالتوں کے سپرد کرتے اور عبرتناک سزا دلواتے۔ ریاست پاکستان کے حکمران ایک کے بعد دوسرا اُس ''مقدس'' ملک کا سفر کر کے اُس ملزم کے حضور پیش ہوتے ہیں، اُس سے مذاکرات کرتے ہیں، اُسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ سیاست دان حکمران ہوں یا اپوزیشن میں اُس کے مشوروں سے مستفید ہوتے ہیں۔ میڈیا اُس کے ٹیلی فونک خطابات کئی کئی گھنٹے مسلسل عوام کالانعام تک پہنچاتا ہے۔ ہم نے اونٹ کے ذکر سے بات شروع کی تھی، دیانت داری کا تقاضا ہے کہ ہم اعتراف کریں کہ اونٹ سے زیادتی ہو گئی ہے۔ پاکستان رہے پاکستان ......عوام و حکمران زندہ باد پاکستان پائندہ باد۔

بیابہ مجلس اسرار

نفس کے خلاف جہاد

ہمارا دل ہمارے جسم کے اندر ہے اور اس جسم کے کچھ حیوانی تقاضے (Animal Instincts) ہیں۔ نفس امارہ بھی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔ خواہشات بھی ہیں، شہوات بھی ہیں۔ اب جونہی ایمان دل میں داخل ہوا تو کشاکش شروع ہو گئی۔ ایمان کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانو۔ دوسری طرف نفس کہہ رہا ہے کہ نہیں بلکہ میری مانو، میری خواہشات و شہوات پوری کرو۔ چنانچہ اب یہ کشاکش اور رسہ کشی شروع ہو گئی ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر　　کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا میرے آگے!

یہی سب سے اہم، مرکزی اور بنیادی جہاد ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اندر ایمان تو داخل ہو لیکن اس طرح کی جنگ اور کشاکش شروع نہ ہو۔ یا پھر وہ ایمان، حقیقی ایمان نہیں بلکہ مجرد دعوائے ایمان ہے، بالالفاظ دیگر ایمان کا خلا ہے۔ کیونکہ جونہی دل میں حقیقی ایمان آئے گا نفس امارہ، خواہشات اور شہوات کے خلاف جنگ شروع ہو جائے گی، ان کے ساتھ تصادم ہوگا۔ نتیجتاً یا ایمان کامیاب ہوگا یا پھر حیوانی داعیات (Animal Instincts)۔ یہ جہاد کی اوّلین منزل ہے۔ اسی لیے اس کو اصل جہاد کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ)) (مسند احمد)

''اور سچا مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا''۔

(ماخوذ از ''حقیقت ایمان'')

بلوچستان: اصل مسئلہ اور حل

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 9 مارچ 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الانفال کی آیت 26 اور سورۃ النحل کی آیت 112 کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! پچھلے اتوار کو تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ عنوان تھا: ''بلوچستان: مسئلہ کی نوعیت اور حل'' یہ ایک بھرپور سیمینار تھا، جو ساڑھے دس بجے شروع ہوا اور سوا ایک بجے اذان پر ختم ہوا۔ سیمینار میں مدعو تمام مقررین نے شرکت کی اور بلوچستان مسئلہ کی نوعیت پر کھل کر اظہار کیا۔ سب سے آخر میں میرا صدارتی خطاب رکھا گیا تھا، لیکن اس کا وقت نہیں بچ سکا۔ بنا بریں میں نے گزارش کی تھی کہ جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے، وہ میں آئندہ جمعہ میں بیان کروں گا، لہٰذا آج کی گفتگو اِسی سلسلہ میں ہوگی، ان شاء اللہ۔ البتہ میں نے وہاں اختصار کے ساتھ جو گفتگو کی تھی، اُس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا اور یہ اِسی سے مستحکم ہوسکتا ہے۔ سیمینار میں جمعیت علماء اسلام کے رہنما حافظ حسین احمد نے کہا کہ بلوچستان کی صورتحال بلوچستان کا نہیں، پاکستان کا مسئلہ ہے۔ اور پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا، لہٰذا اِس مسئلہ کا حل بھی اسلام سے وابستہ ہے۔

جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ بلوچستان کی مخدوش صورتحال کے اسباب کیا ہیں، اِس کے ضمن میں بلاشبہ یہ حقائق بھی نہایت تلخ اور ناقابل تردید ہیں کہ ہم نے بلوچوں کے ساتھ بار بار عہد شکنی کی ہے۔ اُن کو حقوق نہیں دیئے۔ اُن کے خلاف بار بار فوجی آپریشن کیے۔ ہماری بے تدبیریوں اور حماقتوں کے سبب پیدا ہونے والی صورتحال سے بیرونی دشمنوں نے بھی فائدہ اُٹھایا اور سی آئی اے نے وہاں اپنے دفاتر قائم کرلیے، جو فعال چلے آتے ہیں۔ ریمنڈ ڈیوس جیسے کتنے ہی لوگ وہاں پاکستان کے خلاف سرگرم ہیں، جس سے تخریب کاری اور ٹارگٹ کلنگ جیسے واقعات بھی بڑھ گئے اور وفاق بلکہ پنجاب دشمنی کے جذبات میں بھی اضافہ ہورہا ہے، اور اِس وقت بلوچستان کا مسئلہ شدید ترین بحران کی صورت اختیار کرگیا ہے۔

بلوچستان کا حالیہ بحران نیا نہیں، یہ اِس سے پہلے بھی ایک درجے میں رہا ہے۔ البتہ یہ مسئلہ شدت کے ساتھ میڈیا میں اس لیے اُٹھا کہ امریکہ نے ایوان بالا میں بلوچستان کی آزادی کے متعلق قرارداد پیش کردی ہے۔ امریکیوں کے پیٹ میں جو مروڑ اب اُٹھا ہے، وہ اس سے پہلے کراچی کے مسئلہ میں بھی اُٹھ چکا ہے۔ آج ہم بلوچستان مسئلہ کو ایک سلگتا ہوا مسئلہ کہہ رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یہی صورتحال کراچی میں پیدا ہوگئی تھی۔ ایک سازش کے تحت کراچی میں ایم کیو ایم، اے این پی اور پی پی پی آپس میں برسرپیکار تھیں اور ایک دوسرے کی ٹارگٹ کلنگ کررہی تھیں۔ ٹارگٹ کلنگ اِس قدر بڑھ گئی تھی کہ روزانہ بیسوؤں لاشیں پڑی مل رہی تھیں اور حکومتی رِٹ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اِن حالات میں مطالبہ کیا جارہا تھا کہ کراچی میں فوجی آپریشن کیا جائے۔ خود ایم کیو ایم بھی فوج کو دعوت دے رہی تھی کہ کراچی میں فوجی آپریشن کرے اور صورتحال کو سنبھالا دے۔ چنانچہ فوج نے کچھ دخل اندازی شروع بھی کردی تھی کہ سندھ کے وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا نے ساری سازش کا پردہ چاک کردیا۔ انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف لفظوں میں کہا کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین برطانیہ اور امریکہ کے ساتھ مل کر پاکستان توڑنے کی سازش کررہے ہیں۔ دراصل سازش یہ تھی کہ کراچی میں بدامنی اور انتشار پھیلایا جائے، قتل وغارت کرائی جائے، جسے روکنے کے لیے فوج آپریشن کرے اور جیسے ہی فوجی آپریشن کا آغاز ہو، امریکی کانگریس میں یہ قرارداد پاس کی جائے کہ پاکستان میں فوج لوگوں کے حقوق غصب کررہی ہے، مہاجروں پر ظلم کیا جارہا ہے، لہٰذا اقوام متحدہ مداخلت کرے اور نیٹو افواج کراچی کا کنٹرول سنبھالیں۔ نیٹو کے گدھ تیار بیٹھے تھے۔ یہ سازش جب بے نقاب ہوگئی تو سازش کے اصل کردار پیچھے ہٹ گئے اور معاملہ پر قابو پالیا گیا۔ کراچی میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی تو اب وہ اپنا وہی منصوبہ بلوچستان میں بروئے کار لارہے ہیں، جو پہلے ہی اُن کی ہٹ لسٹ پر ہے۔

جہاں تک بلوچستان مسئلہ کی نوعیت کا تعلق ہے، اِس پر ہر جگہ اظہار خیال ہورہا ہے۔ ہمارے سیمینار میں

بھی اس پر مقررین نے تفصیل سے گفتگو کی، تاہم مسئلہ کی تشخیص محض سطحی انداز سے کی جا رہی ہے۔ ہر جانب سے یہی کہا جا رہا ہے کہ بلوچوں کو حقوق دیئے جائیں، ہماری حکومت اپنی اصلاح کرے، مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ محض اس مسئلہ کا ظاہری پہلو ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص کی جائے۔ تب ہی اس کا علاج ہو سکے گا۔ ہمیں اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ بلوچوں میں علیحدگی کے رجحان نے جنم کیوں لیا ہے۔ یہی نہیں دوسرے علاقوں میں بھی صوبائی اور لسانی عصبیتیں اس قدر کیوں مضبوط ہوگئیں کہ ایک مسلمان قوم جس نے متحد ہو کر ہندو اور انگریز دونوں کو شکست دی تھی، قومیتوں میں تحلیل ہوگئی۔ ہم نے انگریز اور ہندو سے لڑائی لسانی اور علاقائی عصبیتوں اور قومیتوں کی بنیاد پر نہیں لڑی تھی۔ تب بلوچی، پنجابی، سندھی، مہاجر، بنگالی، سرائیکی اور حیدر آباد دکن اور دہلی کے رہنے والے سب ایک مسلمان قوم تھے۔ انہوں نے ایک قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے الگ اور آزاد مملکت کی جدوجہد کی اور پاکستان حاصل کیا۔ آج علاقائی قومیتوں کے نعرے کیوں بلند ہونے لگے ہیں؟ بلوچستان میں علیحدگی کی تحریک کیوں چل پڑی ہے؟ اِس کے اسباب کیا ہیں؟

دیکھیے، بلوچستان مسئلہ میں بگاڑ کے کچھ اسباب تو ظاہری ہیں۔ اِن ظاہری اسباب میں ہماری غلط حکمت عملی، قیادتوں کی کوتاہی، بار بار کے فوجی آپریشن، بلوچ عوام کی حقوق سے محرومی، اُن سے ہمارے جھوٹے وعدے اور طفل تسلیاں، جاگیردارانہ اور سرداری نظام کی برقراری اور اغیار کی سازشیں شامل ہیں، اور پھر جلتی پر تیل کا کام اکبر بگٹی کے قتل نے کیا۔ اکبر بگٹی بلوچ سرداروں میں سب سے زیادہ وفاق کے حامی تھے۔ وہ بعض دوسرے سرداروں کی طرح بلوچوں کے حقوق کے لیے بلوچستان کی علیحدگی نہیں چاہتے تھے بلکہ وفاق پاکستان کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کا قتل اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوا، جس کا شرپسندوں اور علیحدگی پسندوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ یہ سارے اسباب تو ظاہری ہیں۔ کچھ اسباب باطنی اور مخفی ہوتے ہیں، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ابدی قانون اور اُس کی سنت سے ہے، جو ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ ہمیں اُس کو بھی دیکھنا چاہیے۔ غالب نے کہا تھا۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

اِس پہلو سے اِس بات کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین کیا ہیں، جن کی زد میں ہم اس وقت آئے ہوئے ہیں۔ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے جو لوگ اللہ سے وعدہ کر کے اُسے پورا نہ کریں، اللہ اُن کے دلوں میں نفاق ڈال دیتا ہے۔ اِسی طرح جنہیں کوئی نعمت دی جائے، وہ اُس کی ناشکری کریں تو انہیں بھوک اور خوف کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے بلوچی، سندھی، پختون کی تقسیم سے بالاتر ہو کر ایک قوم کی حیثیت سے قیامِ پاکستان کے لیے جدوجہد کی تھی۔ یہاں تک کہ بہار کے مسلمانوں نے بھی، جنہیں معلوم تھا کہ وہ پاکستان کا حصہ نہیں بنیں گے، مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور بہت زور دار انداز سے مطالبہ پاکستان کی تائید کی۔ وہ سب لوگ کیوں متحد ہوئے تھے؟ اِس لیے کہ اُن کے سامنے ایک مقصد تھا۔ وہ مسلمانوں کے لیے آزاد اور خود مختار وطن کے قیام کے متمنی تھے، جہاں اسلام کی حکمرانی ہو۔ اس کے نظامِ عدل کو اپنی بہاریں دکھانے کا موقع ملے۔ اِسی لیے تو ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے جو ایک بزرگ علمی شخصیت ہیں، پچھلے دنوں ایک سیمینار میں کہا کہ آج جو دانشور یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا، وہ بڑی بددیانتی کر رہے ہیں۔ ہم نے خود تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرے لگاتے رہے۔ دراصل اسلام کے نعرے کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں اور اُن کے

پریس ریلیز: 16 مارچ 2012ء

وزیراعظم ''شوقِ شہادت'' میں عوامی جلسوں کے ذریعے عدلیہ کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اُنہیں سزا دے

امریکی انتظامیہ کا یہ بیان کہ ایران سے پہلے پاکستان سے نمٹا جا سکتا ہے، قابل تشویش ہے

پاکستان کے تمام ادارے متحد ہو کر دشمن کی ممکنہ کارروائی کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں

حافظ عاکف سعید

لاہور (پ ر) وزیراعظم یوسف رضا گیلانی عدلیہ کو للکار رہے ہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے نماز جمعہ سے قبل میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم ''شوقِ شہادت'' میں عوامی جلسوں کے ذریعے عدلیہ کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اُنہیں سزا دے۔ اُنہوں نے کہا کہ سوئس حکام کو خط نہ لکھنے کے واضح اعلان کے بعد عدلیہ کے پاس وزیراعظم کو سزا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں جس سے یقیناً سیاسی بحران پیدا ہوگا، کیونکہ عدلیہ یہ کام اگلے وزیراعظم کو کہے گی اور نہ جانے یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ امریکہ سے آنے والے بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امریکہ پاکستان پر کاری ضرب لگانے کی تیاریاں کر رہا ہے اور امریکی انتظامیہ کا یہ بیان ایران سے پہلے پاکستان سے نمٹا جا سکتا ہے، خاص طور پر قابل تشویش ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس پس منظر میں پاکستان کے تمام اداروں میں اتفاق اور دشمن کی کارروائی کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل از حد ضروری ہے۔ انہوں نے اِن خبروں پر بھی تشویش کا اظہار کیا کہ نیٹو سپلائی کو کھولنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے اِس سوچ کو بہت بڑی غلط فہمی قرار دیا کہ نیٹو سے تعاون کرنے پر امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا اتحاد ثلاثہ اپنا طرزِ عمل بدل لے گا اور پاکستان کے خلاف کوئی عملی کارروائی نہیں کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہنود و یہود سے کسی خیر کی توقع رکھنا حماقت ہوگی۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

تمام طبقات نے تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے طبقے اور کچھ علماء اور دانشوروں کے علاوہ تمام مسلمانانِ ہند اِس مقصد کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ بہت سے جید علماء کرام نے بھی اس تحریک کو سپورٹ کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد انصاری اِس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ انہی دو بزرگوں نے قیامِ پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ پاکستان کی سرزمین میں پاکستان کا پرچم لہرایا۔ کراچی میں یہ پرچم لہرانے والے مولانا شبیر احمد عثمانی تھے جبکہ مشرقی پاکستان میں یہ کام مولانا ظفر احمد انصاری نے کیا۔ قائداعظم کی جانب سے دو علماء کرام کے ہاتھوں پرچم کشائی اس بات کا علامتی اظہار تھا کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ہم نفاذِ اسلام کا مشن اور وعدہ بھول گئے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ سیکولر اقلیت نے اس بات کا سرے سے انکار ہی کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ قائداعظم کے ایک متنازع بیان پر، جس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ وہ سیکولر ریاست کے خواہاں تھے، سیکولر طبقہ نے یہ رٹ لگائے رکھی کہ پاکستان اسلام کے لیے نہیں بنا۔ حالانکہ دیانت و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ قائد کے اس بیان کو بھی اُن کے اُن سو سے زائد بیانات کی روشنی میں پڑھا جاتا، جن میں انہوں نے اسلام کے ضابطۂ حیات ہونے اور نئی مملکت میں اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کہی تھی۔

اسلام کا نفاذ تو کجا اُس کے نفاذ سے سرے سے انکار کی روش ہماری ناشکری کی انتہا تھی۔ اللہ نے ہمیں یہ ملک دیا اور انگریز اور ہندو کی دوسری غلامی سے نجات عطا کی تا کہ ہم اُس کا شکر ادا کریں۔ سورۃ الانفال کی آیت 26 میں اسی جانب رہنمائی ملتی ہے۔ یہ آیت مہاجرین مکہ کے متعلق نازل ہوئی، تاہم تحریکِ پاکستان کے زمانے میں مسلمانانِ ہند کے احوال کی اِس آیت کے مضمون سے گہری مشابہت ہے۔ اِس میں ان حالات کا ایک نقشہ دکھائی دیتا ہے، جن میں اللہ نے ہمیں یہ ملک عطا کیا۔ فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾﴾

"اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں، تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، تا کہ (اس کا) شکر کرو۔"

ظاہر ہے، قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے، وہ اپنے ہی وطن میں جہاں انہوں نے ہزار سال تک حکومت کی تھی، بے بسی اور کمزوری کا شکار تھے۔ ہندوؤں کی اکثریت تھی اور انہوں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں پر تعلیم، ملازمتوں اور ترقی کے دروازے بند تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کو اپنے وجود اور قومی تشخص کے مٹنے کا اندیشہ تھا۔ اسلام کا برصغیر سے نام و نشان مٹانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن جیسی انتہا پسند جنونی تحریکیں چل رہی تھیں۔ اِن پُر خطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دلائی، اور پاکستان کی صورت میں ایک پناہ گاہ عطا فرمائی۔ پھر یہ پناہ گاہ بھی ایسی ہے جو ہر لحاظ سے ایک بہترین خطہ ہے۔ اس میں ہر قسم کے جغرافیائی و موسمی حالات موجود ہیں۔ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور میدان بھی، دریا بھی ہیں اور ندیاں نالے بھی، صحرا بھی ہیں اور نخلستان بھی۔ صوبہ پنجاب کا میدان دنیا کے بہترین زرعی علاقوں میں سے ہے۔ یہاں انواع و اقسام کی سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقوں بالخصوص سرحد میں جنگلات ہیں۔ صوبہ بلوچستان معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ وہاں معدنیات کی اتنی دولت ہے کہ آپ حساب نہیں لگا سکتے۔ تھر کے علاقے کے حوالے سے تھر پول کا بھی بہت چرچا ہے۔ یہاں اعلیٰ معیار کے کوئلے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org

حل کیا ہے؟

اوریا مقبول جان

[گزشتہ سے پیوستہ]

گزشتہ تین صدیوں میں دونوں نظاموں سے بیزار لوگ ایک ایسے خلا میں ان دنوں سانس لے رہے جہاں کہیں کہیں کوئی آواز بلند ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے بھی دنیا پر ایک نظام کی حیثیت سے حکمرانی کی ہے۔ خصوصاً سود کے معاملے میں تو اکثریت یہ نعرے لگاتی نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کا غیر سودی نظام آزمایا جائے تاکہ سکھ کا سانس آئے۔

اس عالمی خلاء میں کیا مسلمانوں کا نظام خلافت یا شرعی طرزِ حکومت واحد حل رہ جاتا ہے۔ یہ سوال دنیا کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ یہ سب سے بڑا موضوع اس لیے ہے کہ اس کے راستے کو روکنے کے لیے جتنے لوگ سرگرم عمل ہیں ان کا ایک فیصد بھی اس کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد نہیں کر رہا۔ اس خلاء کے عالم میں اگر پچاس سے زائد مسلمان ملکوں میں سے کسی ایک نے اس نظام کو اصل روح کے ساتھ نافذ کر کے اس کے ثمرات سے دنیا کو آشنا نہ کیا تو شاید اس دنیا کی ذلت تو ہمارا مقدر ہے ہی، آخرت کی جوابدہی سے بھی ہم نہ بچ سکیں گے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کا سب سے بڑا ہتھیار میڈیا ہے۔ یہ لوگ نہ تلوار اُٹھاتے ہیں نہ توپ، بس میڈیا کے ذریعے جسے چاہا جتنا برا بنا کر پیش کر دیا۔ پھر اگر ان کے خون سے ہولی بھی کھیلی جائے تو لوگ تالیاں بجاتے ہیں۔ یہی حال انہوں نے کمیونسٹ حکومتوں سے کیا۔

اس ہتھیار کا پہلا وار خلافت کے نظام پر یہ ہے کہ اگر یہ اتنا ہی کامیاب تھا تو تیس سال چلنے کے بعد ختم کیسے ہو گیا۔ تاریخ اور علم سیاسیات کی اس قدر غلط تفسیر کسی نے نہیں پیش کی۔ کسی بھی نظام یا کسی بھی طرزِ حکومت میں صرف ایک حکمران کا انتخاب یا اس کے برسرِ اقتدار آنے کے طریقے کے علاوہ اس کا معاشی، تعلیمی، سماجی اور قانونی نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ خلفائے راشدین کے تیس سالہ دور کے بعد، جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، خلفائے راشدین کی طرز پر اسلام کی اصل روح کے تحت حکمران برسرِ اقتدار نہیں آتے رہے جو اس نظام کا جزو ہے۔ لیکن کئی صدیوں تک اسلام کے شرعی قوانین اور اسلام کا عدالتی نظام رائج رہا۔ برصغیر میں 1857ء تک اسلامی قوانین اور مسلمان قاضی ہی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ خلافت عثمانیہ کے زوال یعنی 1924ء تک یہی عدالتی اور شرعی نظام نافذ العمل رہا اور یہ اس قدر انصاف پر مبنی تھا کہ ان تمام ادوار میں اگرچہ رعایا زیادہ تر غیر مسلم تھی لیکن کسی نے کبھی اس پر عدم اطمینان کا اظہار تک نہ کیا بلکہ جس طرح ہم مسلمان آج کل انگریزی قانون کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اسی طرح غیر مسلم مسلمانوں کے شرعی قوانین کی تعلیم حاصل کرتے اور اس پر کتابیں تحریر کرتے تھے۔ اس کی مثال سلیم الباز ہے جو غیر مسلم تھا لیکن اس نے اسلامی قوانین کی مشہور کتاب ال مجلّہ کی شرح (Commentary) لکھی۔ اسی طرح مسلمانوں نے وہ تمام قوانین تجارت اور قوانین حقوق تک مدون کیے۔ دوسرا اسلام کا محاصل یعنی ٹیکس کا نظام ہے۔ جس میں عشر، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج شامل ہوتا ہے۔ یہ قوانین بھی خلافت عثمانیہ تک نافذ العمل رہے۔ کسی مغربی ٹیکس سسٹم سے کوئی چیز مستعار نہ لی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام ادوار میں کبھی مسلمان یا ان کی حکومتوں میں موجود رعایا نے ٹیکسوں اور بلوں سے تنگ آ کر حکومتوں کے خلاف احتجاج بلند نہ کیا۔ ان تمام علاقوں میں خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ پوری سلطنت میں کوئی فقیر نظر نہیں آتا تھا۔ جب کہ اسی دوران فرانس کا بدترین انقلاب آیا تھا جس میں غربت سے تنگ لوگوں نے بادشاہوں کی گردنیں اڑا دی تھیں۔ اس پورے دور میں کسی ٹیکس چوری یا بددیانت افسر کی مثال نظر نہیں آئی۔ اس لیے کہ مسلمان افسران زکوٰۃ کو عبادت سمجھ کر اکٹھا کرتے اور امانت سمجھ کر انہی جگہوں پر خرچ کرتے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر 1918ء تک یہی عدالتی نظام اور یہی معاشی سسٹم نافذ رہا۔

دنیا کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں مسلمان وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے ایک تعلیمی پالیسی دی اور پھر اسے نافذ کیا۔ دنیا بھر کے علم کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور اسے اپنے مدرسوں میں آزادانہ طور پر پڑھایا اور اس پر طویل بحثیں کیں۔ سوال کرنے اور اس کا جواب تلاش کرنے کا پورا حق دیا گیا۔ یہ تمام علوم اسلامی نظام تعلیم کے تحت قائم لاکھوں مدرسوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ یہی نظام تعلیم تھا کہ جس کی وجہ سے چار صدیوں تک مسلمان سائنس دانوں، فلسفیوں، تاریخ دانوں اور ماہرین طب کا دنیا کے علوم پر راج رہا۔ جب دنیا اعلیٰ تعلیم کی درس گاہوں کے نام سے آشنا نہ تھی مسلمانوں نے بغداد، دمشق، سکندریہ اور قرطبہ میں یونیورسٹیوں کا ایک نظام قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر جیسے علاقے میں بھی 1911ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی شرح خواندگی نوے فیصد سے زیادہ تھی۔ یہ سب اس نظام تعلیم کی بدولت تھا جو اسلام کے اصولوں کے مطابق نافذ رہا۔ ریاست کی ایک اہم چیز اس کی خارجہ پالیسی ہوتی ہے۔ اس تمام دور میں یہ خارجہ پالیسی اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار کی بنیاد پر ہی مرتب ہوتی رہی۔ کبھی مصلحت، ڈر یا خوف کی وجہ سے سمجھوتے نہیں کیے گئے۔ زندگی کے تمام شعبوں صحت، تعلیم، وسائل آمدورفت، قانون، عدالت، ٹیکس اور دیگر معاملات میں اسلام کے قوانین اور اصول نافذ رہے۔ یہ قوانین اس قدر انسانیت کے خیرخواہ تھے کہ اس پورے دور میں کسی عوامی بغاوت، حقوق کی جدوجہد یا انقلاب کی گھن گرج سنائی نہ دی، حالانکہ ان تمام جگہوں پر اکثر علاقوں میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ ہاں اقتدار حاصل کرنے، اس پر قابض ہونے کے لیے لوگ کھڑے ہوتے رہے۔ مسلمان فقیہوں کی قربانی بھی کسی دوسرے نظام کے لیے نہیں تھی بلکہ اسی نظام کو جب وہ بگڑتا دیکھتے تو اُٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ بات تسلیم کہ خلیفہ کا انتخاب اس طرح نہ رہا جیسا اسلام کا مقصود تھا، لیکن باقی نظام

نافذ العمل رہا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ آج ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نظام تیس سال بعد کیوں فیل ہوگیا۔ کوئی مغرب سے یہ سوال نہیں کرتا کہ ان کی حکومت کے تمام عرصے میں جس طریقے سے بھی کلائیو آئے یا ماؤنٹ بیٹن، 1920ء میں عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل ہوا یا سوئٹزرلینڈ میں 1973ء میں، قوانین یا دیگر نظام قائم رہے تو یہ نظام کامیاب اور ہمارے ہاں صرف حکمران کا طرزِ انتخاب بدلے تو ہم ناکام۔

مدتوں اس امت مسلمہ کو افیون کی طرح یہ درس گھول گھول کر پلایا گیا کہ تم ترقی کی راہ میں بہت پیچھے رہ گئے ہو، دوسری قومیں تم سے کس قدر سرفراز ہوگئی ہیں، انہوں نے سائنس میں ترقی کی، علم میں آگے بڑھے، دنیا کو ایجادات سے ایک خوبصورت اور رہنے کی جگہ بنایا۔ جمہوریت، انصاف اور انسانی حقوق کا پرچم بلند کیا۔ اپنے آپ کو مذہب سے آزاد کرکے دنیا میں چین اور سکھ کے ساتھ جینے کا راستہ نکالا۔ تم ایک دقیانوسی اور ماضی کے مزاروں کو پوجنے والی قوم ہو۔ تمہارے آباء و اجداد نے مقبرے، مزار اور مسجدیں بنانے کے سوا کیا ہی کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی پرتعیش زندگی گزار کر چلے گئے اور تم کو جہالت کے اندھیروں میں پھینک گئے۔ آج بھی تمہیں ماضی کے خواب دکھانے والے چودہ سو سال پرانی طرز معاشرت میں نافذ سادہ سے قوانین کو موجودہ ترقی یافتہ معاشرے میں نافذ کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ بے وقوف ہیں یہ لوگ۔ دنیا کتنی ترقی کر چکی ہے۔ قانون کی ضخیم کتابیں آج انسانی زندگی کے ہر معاملے پر ایک جامع قانون بنانے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اُس دور کے مسائل اور تھے۔ آج تو ٹیکنالوجی، ماحولیات، سمندری حیات، آسمانی راستے، ادویات بنانے اور تحقیق کے اصولوں تک قانون مرتب ہوتے ہیں۔ ان سب میں کہاں اسلام کو لا کر کھڑا کرو گے۔ یہ سب تو موجودہ دور کی پیداوار ہیں۔ ''رولز آف گیم'' ہی اور ہیں۔ سادہ سی زندگی میں تمہارے اسلاف کے قانون ٹھیک تھے مگر اب دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ جیسے تم لوگ خود جاہل ہو، اسی طرح تمہیں مدتوں پرانی جاہلیت کے زمانے کی باتیں ہی پسند آتی ہیں۔

اس افیون کی لت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنی تمام تر زندگی میں کسی بھی کام کا آغاز کرنے یا کسی تحقیق میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس بات کے قائل ہوجاتے ہیں کہ اس دنیا کو ترقی مغرب نے دی اور اسے تہذیب کا گہوارا اس نے بنایا اور آج کا نظام اس قدر پیچیدہ ہو چکا ہے کہ اسلام کے پاس تو اس کا کوئی حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اپنے بچپن سے لے کر آج تک میں ایک فقرہ سنتا آیا ہوں کہ آج کے اقتصادی نظام میں اسلام کہاں نافذ ہوتا ہے، اس دنیا نے ایک بینکنگ کا پیچیدہ نظام وضع کیا ہے، کرنسی، شرح مبادلہ اور اقتصادیات کی ایک پوری سائنس بنائی ہے، ڈالر اور دیگر کرنسیوں کی شرح کیسے اوپر اور نیچے ہوتی ہے۔ اجناس کی شرح اور ان کی قیمتوں کا تعین کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ سارے کے سارے گورکھ دھندے ہیں۔ ان کا اسلام کے پاس کیا حل ہے۔ مدتوں ہم نے یہ دعوے سنے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے کبھی اس بات پر کامل یقین ہی نہیں کیا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو ان گورکھ دھندوں کا آسان ترین حل بتایا ہے وہی اس دنیا کی فلاح کا باعث ہے۔ ہم مرعوب تھے، ہم اپنے آپ کو جاہل نکمے اور ناکارہ سمجھتے تھے۔ اپنے علم کو ناقص ہی خیال کرتے تھے لیکن ہم نے اپنی کم علمی اور مرعوبیت کی وجہ سے اللہ کے احکامات کو بھی ناقابل عمل، فرسودہ اور دقیانوسی خیال کرنا شروع کر دیا۔ (معاذ اللہ)

لیکن جب میرے رب نے سچ کو واضح کرنا ہوتا ہے، جب اس نے اپنے پیغام کی حقانیت کو دنیا پر آشکار کرنا ہوتا ہے تو پھر اسے چند لمحے لگتے ہیں، نہ کسی تقریر و تحریر کی ضرورت اور نہ خطبہ و ارشاد کی۔ آج کی دنیا اس سارے معاشیاتی گورکھ دھندے کی اہلیت سے ایسے آشنا ہوئی کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ لوگ حیران رہ گئے کہ یہ سارا گورکھ دھندا تو بنایا گیا تھا۔ یہ ساری معیشت صرف ایک چیز کے تحفظ کے گرد گھومتی تھی اور وہ تھا سود۔ اس سود کے نظام کو تحفظ دینے اور بقا بخشنے کے لیے کرنسی کی شرح کا چکر چلایا گیا۔ سونے کی جگہ کاغذ کے نوٹ جاری ہوئے اور پھر ان کاغذ کے نوٹوں کو کبھی زرعی اجناس کے مقابل رکھ کر قیمت لگائی گئی، کبھی سونے کے اور آج کی دنیا میں تو دنیا کی مضبوط ترین کرنسی پٹرول کے متبادل اپنے شرح نمو بنانے کی جدوجہد میں دنیا کے پٹرول کے ذخیرے پر قابض ہونے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ اس سارے معاشی چکر میں لوگوں کو اس بات کا یقین دلا دیا جاتا ہے کہ آج جو ایک لاکھ روپیہ وہ بچاتے ہیں، دس سال بعد اس کی حیثیت دس ہزار سے بھی کم ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے آدمی کو بنک میں پیسے رکھنے چاہیں، تاکہ اسے سود ملتا رہے اور اس کی قیمت کی قدر کم نہ ہو۔ یوں سود کے جس سسٹم کے گرد معاشرے کو گھمایا گیا اس کا نتیجہ آج پوری دنیا کے عوام نے یوں دیکھا کہ لاکھوں گھر اجڑے اور کروڑوں لوگ برباد ہوگئے۔ یوں اسلام کا وہ سادہ سا اصول کہ سود کا کاروبار کرنے والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتے ہیں، آج چودہ سو سال بعد اسی طرح سچا اور کھرا ثابت ہوا جس طرح مدینہ کی چھوٹی سی شہری ریاست میں تھا۔ اس ایک اصول کی بنیاد پر آج دنیا بھر کی گورکھ دھندوں والی معیشت لوٹ رہی ہے اور دنیا بھر کے معیشت دان کرنسی کے عذاب سے نکلنے کے لیے سونے اور چاندی کے سکوں کی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے وہ سادہ سے اصول وضع کیے جو آج بھی معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور ریاستی قوانین کی بنیاد ہیں۔ انصاف کی بالادستی، عہد و پیمان کی اہمیت، ناپ تول میں کھرا پن، منافع کی کم سے کم شرح، معاشرے کے پسماندہ طبقوں کی مدد اور ریاستی ذمہ داری، اخلاقی بے راہ روی روکنے کے لیے حدود کا تعین، معاشرے سے قتل و غارت ختم کرنے کے لیے قصاص اور معاشرے میں صلح جوئی روا رکھنے کے لیے معاف کرنے کا اجر اور دیت۔ سب سے اہم ترین اصول یہ کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ جو شخص زمین کاشت کرتا ہے فصل اس کی ہے۔ اگر کوئی زمین تین سال تک کاشت نہیں ہوتی تو ریاست کی ملکیت ہوجاتی ہیں۔ پانی، چراہ گاہیں اور آگ پر کوئی قیمت وصول نہیں کی جاسکتی۔ یہ عوام کی فلاح کے لیے ہے۔ اب آگ میں بجلی اور گیس سب آتے ہیں۔ معدنیات اللہ کا عطیہ ہیں اور پوری امت کی ملکیت ہیں۔ کوئی ہیرے، سونے یا قیمتی دھاتوں سے ذاتی طور پر امیر نہیں بن سکتا۔ یہ سب اصول آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیئے، جن سے نہ جاگیرداری رہتی ہے اور نہ سرمایہ داری۔ اس سب کے علاوہ ایک اور چیز جو دنیا کے تمام نظاموں سے اس کو الگ کرتی ہے، وہ آخرت کی جوابدہی کا احساس ہے۔ اس سے بہتر اور کیا اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی ہوگی کہ موصل کا حاکم عمر بن خطاب ؓ کو بعد میں اور اللہ کو پہلے جواب دہ ہے اور اس کے ہر عمل کو دیکھنے کے لیے ایک قاضی مقرر ہے، جو دیکھتا ہے کہ یہ اپنے تمام کام اللہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کر رہا ہے کہ نہیں۔ اسی لیے وہاں کسی سیکرٹریٹ یا بیوروکریسی کی ضرورت نہ تھی۔

(باقی صفحہ 14 پر)

اسلامی انقلاب کے لیے

منہج انقلابِ نبویؐ ناگزیر ہے!

ندائے خلافت کے قاری نسیم احمد کا مکتوب اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کا جواب جس میں مکتوب نگار کے پاکستان میں اسلامی انقلاب کے ضمن میں اُٹھائے گئے نکات کا جواب دیا گیا ہے

①

محترم امیر تنظیم اسلامی پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے موقر جریدے ''ندائے خلافت'' میں جناب والا کے خطبات جمعہ پڑھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ ان کے حوالے سے چند باتیں عرض ہیں۔

1۔ اسلامیان ہند گزشتہ صدیوں سے ہندوستان کے طول وعرض میں اپنے حقوق کا تحفظ جمہوریت کے عمل کے ذریعے کر سکے۔

2۔ پاکستان کا وجود سیاست کے جمہوری عمل کے ذریعہ ہی ممکن ہوا۔

3۔ پاکستان میں ریاست کا اسلامی تشخص جمہوری عمل سے ابھرا۔ اسی سے ''قراردادِ مقاصد'' منظور ہوئی، گویا مملکت نے کلمہ پڑھ لیا۔

4۔ اسی عمل سے پاکستان کا اسلامی دستور منظور ہوا۔

5۔ ڈکٹیٹر آئے، تو وہ بھی جمہوریت کا دعویٰ کرتے رہے اور انتخابات کا سہارا لیتے رہے۔

6۔ کوئی بھی ڈکٹیٹر ایک عشرے سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ دوسرے ملکوں میں غاصب نصف صدی تک قابض رہے۔

7۔ معاشرے کی خرابیوں اور عوام کی بے علمی نے پاکستان میں جمہوریت کو پنپنے نہیں دیا۔ پاکستان کے ستر فیصد ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا۔ قصور عوام کا ہے۔ مثبت نتائج اس صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ووٹر انتخابات میں اپنا حق رائے دہی استعمال کریں۔ جمہوریت سے اجتناب گویا طاغوت کو کھلا میدان دینا ہے۔

اس وقت طاغوت اپنا کام کر رہا ہے اور دین کے نام لیوا منتشر ہیں۔ کیا تنظیم اسلامی نے کوئی تخمینہ قائم کیا ہے کہ مطلوبہ معیار کے کتنے ارکان فراہم ہو جائیں گے تب منظم احتجاج اور مظاہروں کی ابتدا ہو سکے گی۔ فی الحال تنظیم کا احتجاج محض بیانات تک محدود ہے۔

دیگر دینی جماعتیں دفاع پاکستان کے نام پر غیر سیاسی طور پر اکٹھی ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ سیاسی ہو جائیں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اپنا لشکر آگے بڑھا رہے ہیں۔ جلسے جلوس ہو رہے ہیں۔ یہ بیداری کی علامتیں ہیں۔

8۔ قرآن وحدیث میں نظام خلافت کا ذکر نہیں ہے۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کا حکم ہے۔ خلفائے راشدینؓ کی کوئی متعینہ مجلس شوریٰ نہ تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد نام کا خلیفہ اور کام بادشاہت کا رہا۔ پاکستان میں نظام خلافت اور خلیفہ کے انتخاب کے لیے مجلس شوریٰ درکار ہوگی۔ یہ کس طرح وجود میں آئے گی۔ کس غیر جمہوری عمل سے یہ کام ہو سکے گا۔

9۔ آئندہ جب مسلح جہاد کی نوبت آ جائے تو اس کے لیے اسلحہ اور تربیت کا انتظام کیا MQM کی طرز پر ہوگا؟ پاکستان میں نظام خلافت آ بھی جائے تو مسلم ممالک خلیفہ کو تسلیم کر لیں گے؟ مسلح جہاد پاکستان پر اپنی پولیس اور فوج کے خلاف ہوگا یا کسی بیرونی قوت کے خلاف؟

10۔ دنیائے اسلام میں آج انقلاب اور اسلام کی لہر ہے۔ جمہوریت نظر آ رہی ہے۔ روزنامہ جنگ بابت 3 جنوری 2011ء کے میگزین میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

احقر نسیم احمد، اسلام آباد

②

مکرمی ومحترمی السلام علیکم!

آپ کی جانب سے ایک سوالنامہ تقریباً دو ماہ قبل موصول ہوا۔ بروقت جواب عرض نہ کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔ درحقیقت تنظیمی سرگرمیوں سے بعض اوقات وقت نکالنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور عین ممکن ہے کہ کچھ تغافل کا معاملہ بھی ہوا ہو۔ بہرحال اِس پرچۂ سوالات کے جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کا خط ندائے خلافت میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

1 تاریخی لحاظ سے پہلا سوال ہی کچھ حیران کن ہے۔ انگریز نے جمہوریت کو بیسویں صدی کے آغاز میں متعارف کروایا تھا۔ اگرچہ کانگرس 1988ء میں وجود میں آ چکی تھی لیکن بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے اِس کی سرگرمیوں کو آپ جمہوری سرگرمیاں قرار نہیں دے سکتے۔ 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو فوری طور پر اِس کے قیام کے بھی جو مقاصد نظر آئے وہ بھی جمہوری ہی نہیں خالصتاً سیاسی بھی محسوس نہیں ہوتے۔ جبکہ مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود گزشتہ چار پانچ صدیوں سے ہندوؤں کی اکثریت پر باقاعدہ اور مستقل حکومت کر رہے تھے، بلکہ اِس سے بھی پہلے کبھی غزنوی اور کبھی غوری ہندوستان پر حملہ آور ہوتے مسلمانوں کے دشمنوں کو شکست دیتے، مالِ غنیمت سمیٹتے اور واپس چلے جاتے تھے۔ لہٰذا آپ کی یہ بات کہ اسلامیانِ ہند گزشتہ صدیوں میں ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے حقوق کا تحفظ جمہوریت کے عمل سے کر سکے، راقم کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

پاکستان کا وجود سیاست کے جمہوری عمل سے ہی ممکن ہوا، اگر اِس بات کو یوں کہا جائے تو پورا سچ اور مطابقِ واقعہ ہوگا کہ مسلمانانِ ہند نے انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک عوامی تحریک چلائی اور اِس تحریک میں انہوں نے جس جذبہ اور ہمت کا مظاہرہ کیا اور اُس نے اُن کے ازلی دشمن ہندو کے اِس خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا کہ انگریز کے جانے کے بعد وہ مسلمان قوم کا نیا آقا بن کر سامنے آئے گا۔ ہندو اور انگریز اِس تحریک کے نتیجہ میں ہمیں پاکستان کے نام سے ایک آزاد اور خودمختار خطہ دینے پر مجبور ہوا تھا۔ البتہ یہ سچ

ہے کہ 1946ء کے انتخابات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی۔ اِس جمہوری عمل کی حیثیت رسمی اور خانہ پری کے سوا کچھ نہ تھی۔ وگرنہ اصل شے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کے تحت وہ تحریک تھی جس کا نعرہ ''لے کر رہیں گے پاکستان'' اور ''پاکستان کا مطلب کیا: لاالٰہ الا اللہ'' تھا۔ ایک بات اور آپ کی خدمت میں عرض کیے دیتا ہوں کہ 1937ء میں جس جمہوری عمل کا مظاہرہ ہندوستان میں ہوا تھا، جس میں مسلم لیگ بُری طرح ناکام ہوئی تھی، میری نظر میں یہ ناکامی پاکستان کے حصول کے حوالہ سے زیادہ مدد ومعاون ثابت ہوئی تھی، اِس لیے کہ جب ہندوستان کے تمام صوبوں میں کانگریس کو کامیابی حاصل ہوئی اور اُس نے صوبائی حکومتیں بنائیں تو مسلمانوں کے سامنے اصل صورتِ حال آ گئی کہ داخلی خودمختاری اور محدود آزادی ملنے پر اگر ہندو ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے تو جب اُسے مکمل آزادی اور خود حاصل ہو جائے گی تو پھر وہ ہم سے کیا سلوک کرے گا۔ یہ لاوا پکا اور دس سال بعد اُس کے نتائج برآمد ہوگئے۔ 1946ء کے انتخابات میں کامیابی نے یقینی طور پر عوامی فیصلے کو قانونی شکل دینے میں مدد کی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر عوامی سطح پر تاریخ ساز تحریک نہ چلتی تو کوئی جمہوری عمل، کوئی پارلیمانی قانون سازی مسلمانانِ پاکستان کو الگ آزاد مملکت نہ دلا سکتی۔ انتخابات میں کامیابی کو کوئی دوسرے معنی بھی پہنائے جا سکتے تھے۔

پاکستان کی تاریخ کا اگر دیانت داری سے جائزہ لیا جائے تو ریاست کے اسلامی تشخص کو جتنا نقصان دینی جماعتوں کے ملکی جمہوری عمل میں حصہ لینے سے پہنچا کسی اور ذریعے سے نہیں پہنچا۔ اِس حوالہ سے تفصیلات بڑی تکلیف دہ ہیں۔ سب سے پہلے جماعت اسلامی اپنے قبل از تقسیم ہند نظریہ سے انحراف کرتے ہوئے پاکستان میں اقتدار کی سیاست (Power Politics) میں ملوث ہوئی۔ اگرچہ اسے ایک اجتہادی غلطی قرار دے کر انحراف کی راہ اختیار کرنے والوں کا یہ جرم قابل معافی قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن یہ سنگین غلطی اپنے ثمرات بکھیر کر رہی۔ جمعیت علمائے اسلام جسے اسلام اور علمِ دین کے حوالے سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا اور جس زمانے میں اِس کے ساتھ ''پاکستان'' کی بجائے ''ہند'' کا لاحقہ تھا، یقیناً اس میں بڑے بڑے بلند پایہ علماء کرام اور قد آور شخصیات تھیں اور اِس کی علمی ساکھ جماعت اسلامی سے کہیں زیادہ قابل اعتماد تھی، وہ بھی انتخابی سیاست میں کود پڑی اور بریلوی مکتب فکر کی نمائندگی کرنے والے جمعیت علمائے پاکستان ویسے ہی پاکستان میں سیاست کرنا اپنا حق زیادہ سمجھتی تھی کہ وہ واحد مذہبی جماعت تھی جس نے بحیثیت جماعت مطالبہ پاکستان کی کھلم کھلا حمایت کی تھی۔ وہ بھی اسلام کی کسٹوڈین بن کر سیاسی جمہوری میدان میں اتر آئی۔ اب یہ سب جماعتیں اپنا اپنا اسلام اگر ایک جیسا بتائیں، نفاذ اسلام کا طریقہ کار بھی ایک جیسا ہو تو پھر ایک دوسرے کا ووٹ کیسے توڑیں، لہٰذا ووٹ حاصل کرنے کے لیے عوام کو اسلام کا اپنا اپنا شیڈ دکھایا گیا، اور دوسرے کے اسلام کو رد کیا گیا۔ جس سے مسلمانانِ پاکستان میں تفرقہ بازی پھیل گئی۔ پھر یہ کہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے دین کی وہ توجیہات پیش کی گئیں جو ووٹرز کو قابل قبول ہوں۔ اسلامی سوشلزم کو تو حرام مطلق قرار دیا گیا، لیکن اسلامی جمہوریت کو عین دین قرار دیا گیا وغیرہ۔ علاوہ ازیں ملک کے سیکولر عناصر کے لیے مسئلہ بڑا آسان کر دیا۔ کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کر سکتا۔ جب دینی جماعتیں پاور پالیٹکس میں ملوث ہوئیں تو اسلام کی بھرپور مخالفت کی بجائے وہ لوگ اسلامی جماعتوں کا نام لے کر اسلام کی مخالفت کرنے لگے اور عوام پر ظاہر کرتے کہ یہ اسلام کے نہیں اسلام آباد کے خواہشمند ہیں اور ان کے مطالبات ذاتی اقتدار کے پس منظر میں ہیں۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ کس کا اسلام لائیں۔

جہاں تک قراردادِ مقاصد کی جمہوری عمل سے منظوری کا تعلق ہے یہ تو گویا آپ نے ہمارے موقف پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ عزیز من، یہ قرارداد 1949ء میں منظور ہوئی تھی اور اُس اسمبلی سے ہوئی تھی جو قیام پاکستان سے پہلے وجود میں آئی تھی۔ اگر اسلامی جماعتیں اُس وقت انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر چکی ہوتیں تو یہ قرارداد متنازع ہو جاتی اور کبھی منظور نہ ہوتی۔ پھر یہ کہ یہ قرارداد محض قرطاس تک محدود ہو کر رہ گئی اور عمل کی نوبت اِس لیے نہ آ سکی کہ اب مولانا شبیر احمد عثمانی زندہ نہ تھے کہ حکومت کو دھمکی دیتے کہ وہ عوامی دباؤ سے اُسے قرارداد پر عمل کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ اب تو عوامی دباؤ نفاذ اسلام کی بجائے بحالی جمہوریت کے لیے ڈالا جاتا اور اِسی نام سے تحریکیں چلتیں۔ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے اور عوامی جذبات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی خاطر ایسی تحریکوں کو ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کا نام دے دیا جاتا اور بیگم ولی خاں اِس تحریک کی اہم رہنما ہوتیں اور مسجد شہداء کے منبر پر کھڑا کر کے اُن سے تقریر کروائی جاتی، تاکہ اسلام ایک بار پھر زندہ ہو، چاہے سرخ پوشوں کے ہاتھوں سے ہی ہو۔ قرارداد مقاصد یقیناً پاکستان کی تاریخ کا ایک سنگِ میل تھی اور اِس کا بیسویں صدی میں منظور ہونا ایک معجزہ تھا۔ اگر مذہبی سیاسی جماعتیں جمہوری عمل اور اقتدار کی سیاست سے یکسر لاتعلقی اختیار کر کے اِس قرارداد کے عملی نفاذ کے لیے تحریک چلاتیں تو یقیناً کامیاب ہو جاتیں۔ اِس لیے کہ 1977ء میں اینٹی بھٹو تحریک اگر نظام مصطفیٰ کا لیبل لگا کر کامیاب ہو سکتی ہے اور 1974ء کی اینٹی قادیانی تحریک اگر عوامی دباؤ سے کامیاب ہوتی ہے تو قرارداد مقاصد کے عملی نفاذ بالفاظ دیگر نفاذ اسلام کے لیے عوامی تحریک کیوں کامیاب نہ ہوتی۔ یہ بات پورے یقین اور تجربے کی بنیاد پر کہی جا سکتی ہے کہ قادیانیوں کو بھی محض جمہوری عمل اور پارلیمنٹ میں تقریروں سے غیر مسلم قرار نہیں دلوایا جا سکتا تھا، بلکہ اسلامی جماعتوں کی سازش اور اُن کی دقیانوسیت قرار دیا جاتا اگر اس کی پشت پر عوامی دباؤ نہ ہوتا۔ سیکولر طبقات اور اسلام دشمن عناصر آج تک پچھتاتے ہیں اور اُس وقت کی حکومت کو کوستے ہیں کہ اُس نے عوامی دباؤ کیوں قبول کیا۔ مسئلہ ایوانِ جمہوریت کی غلام گردشوں تک محدود رہتا تو آج تک لٹکا ہوتا۔

آپ اگلے نکتہ میں فرماتے ہیں کہ ''اِس عمل سے یعنی ریاست کے قرارداد مقاصد کے ذریعہ مشرف بہ اسلام ہونے سے اسلامی دستور منظور ہوگیا'' ہماری رائے میں چونکہ یہ کلمہ یا منافقانہ انداز میں پڑھا گیا تھا یا اسلامی راستے کی تکالیف دیکھ کر منافقت کی راہ اختیار کر لی گئی تھی، لہٰذا 1973ء کا آئین منافقت کے ایک پلندے کی صورت میں آج ہمارے سامنے موجود ہے کہ ظاہراً اسلام ہے اور باطن میں مکمل کفر۔ آئین کو اسلامی کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اِسی آئین کے تحت قائم ایک عدالت میں جسٹس نسیم حسن شاہ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ آئین میں قرارداد مقاصد کو بالاتر حیثیت دے کر دوسری شقوں کو اِس کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ جمہوری عمل کے نتیجہ میں قائم ہونے والی ایک جماعت نے سود کے خلاف فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو سرد خانے

میں ڈلوایا ہوا ہے۔ 1973ء کے آئین میں موجود اسلام آپ دیکھ سکتے، اُس کی تعریف کرسکتے ہیں مگر اُسے روبہ عمل نہیں لاسکتے، کیونکہ خود 73 کا آئین ہی نفاذِ اسلام میں رکاوٹ بھی ہے۔ بقول آپ کے ریاست نے قراردادِ مقاصد کی منظوری سے کلمہ پڑھ لیا۔ ہمارے نزدیک اِس سے منافقت نے جنم لیا۔ اور اِس منافقت نے پاکستان کو آج جس جگہ پر پہنچا دیا ہے، دنیوی لحاظ سے اسے بدترین مقام ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں پاکستان میں ڈکٹیٹروں کو انتخابات کا سہارا لینا پڑا اور کوئی ڈکٹیٹر ایک عشرے سے زیادہ نہ ٹھہر سکا، جبکہ دوسرے ممالک میں نصف صدی تک غاصب قابض رہے۔ لیکن ہم یہ کیوں بھول گئے کہ یہاں ڈکٹیٹر تھوک کے حساب سے آئے اور ہماری 64 سالہ آزادی میں نصف عرصہ سے زائد وقت اقتدار پر قابض رہے۔ دوسرے ممالک کا غاصب ایک ہی پالیسی پچاس برس تک چلاتا تھا۔ لہٰذا ملک وقوم ایک ہی اچھے یا برے راستے پر گامزن رہتے۔ ہمارا کوئی ڈکٹیٹر اسلام کا نعرہ لگا کر عوام کا استحصال کرتا ہے، دوسرا روشن خیال بن کر اُسے دوسری طرف گھسیٹتا ہے اور قوم کسی طرف کی نہیں رہتی۔

آپ کا تحریر کردہ ساتواں نکتہ بہت اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بہت کم ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو فی نفسہٖ بُری ہوتی ہیں۔ زیادہ تر اشیاء کا استعمال اُن کو اچھا یا بُرا بناتا ہے۔ جمہوری طرزِ حکومت میں بھی کوئی اچھائیاں ہوں گی، لیکن اِس کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ روزِ اول سے سرمایہ دارانہ نظام کی حفاظت پر مامور ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ جمہوری طرزِ حکومت کو درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کی ڈھال کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ پاکستان کا جہاں تک تعلق ہے، راقم آپ کے اس خیال سے شدید اختلاف کرتا ہے کہ معاشرے کی خرابیوں اور عوام کی بے علمی نے جمہوریت کو پنپنے نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دار نے اپنے سرمایہ اور اقتدار کے تحفظ کے لیے جمہوری نظام کے ذریعے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پیدا کیں اور عوام کے حصولِ علم کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں، تاکہ باشعور عوام اُس کے ہتھکنڈوں کا توڑ نہ کرسکیں۔ براہِ کرم اِس نکتہ پر سنجیدگی اور باریک بینی سے غور فرمائیں۔

جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ دینی جماعتیں دفاعِ پاکستان کے نام سے غیر سیاسی طور پر اکٹھی ہورہی ہیں وقت آنے پر سیاسی طور پر متحد ہوسکتی ہیں تو ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس سے خیر برآمد کرے۔ دینی سیاسی جماعتیں اِس سے پہلے ایم ایم اے کے نام سے ایک انتخابی اتحاد بنا چکی ہیں، جس کے نتیجہ میں اُنہیں سابقہ صوبہ سرحد میں حکومت بنانے کا موقع ملا۔ اگر غیروں کے اس الزام کو غلط بھی قرار دے دیا جائے کہ مشرف نے اُنہیں اس صوبہ میں اس لیے کامیاب کروایا تھا کہ امریکہ کو بلیک میل کرکے اپنی کرسی پکی کرسکے، تب بھی یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ دینی جماعتیں اپنی حکومت سے عوام کو مطمئن نہ کرسکیں اور اسلام کے حوالہ سے اُس صوبہ میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہ ہوسکی۔ پھر یہ کہ دینی جماعتیں سترھویں ترمیم اور حقوقِ نسواں بل کا داغ لے کر اسمبلیوں سے فارغ ہوئیں۔ علاوہ ازیں اُن کی باہم کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ چنانچہ دینی جماعتوں کا دوبارہ ملاپ ممکن نظر نہیں آرہا۔ آپ نے پوچھا ہے کہ کتنے افراد فراہم ہوجائیں گے تو تنظیم کے منظم احتجاج اور مظاہروں کی ابتدا ہوسکے گی۔ منظم احتجاج اور مظاہرے تو اس وقت بھی تنظیم اسلامی کررہی ہے۔ اگر آپ کی مراد نظام کی تبدیلی کے لیے عدم تشدد پر مبنی تحریک چلانے کی ہے تو بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے کارکنوں کی معتدبہ تعداد پہلے اپنی ذات پر اسلام نافذ کرچکے ہوں اور تربیت یافتہ بھی ہوں، میسر آجائے گی، جس کا فیصلہ وقت پر ہی کیا جاسکے گا تو موجودہ باطل نظام کو مفلوج کرنے کے لیے میدان میں اُترنا ہوگا۔

جہاں تک قرآن وحدیث میں نظامِ خلافت کے ذکر کا معاملہ ہے، میں اِس بحث میں نہیں الجھوں گا۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ خلفائے راشدین نے جو نظام قائم کیا تھا اُسے آپ کون سا نظام کہیں گے اور کیا خلفائے راشدین سے بہتر کوئی جانتا تھا یا ہے کہ اللہ کے رسول کی منشا کیا تھی۔ بعد ازاں اگرچہ خلافتِ راشدہ کے بعد زندگی کے تمام اجتماعی گوشوں پر حاوی اس چھ سات منزلہ شاندار عمارت کی سب سے اوپر کی منزل میں یعنی سیاسی ڈھانچے میں اضمحلال آگیا تھا یعنی بادشاہت کی طرح خلیفہ کا بیٹا خلیفہ بننے لگا، لیکن ایک طویل مدت تک بقایا نظام کافی حد تک intact رہا اور شریعتِ محمدیؐ کے نفاذ کی وجہ سے عوام اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی سے مستفید ہوتے رہے۔ البتہ ذاتی کردار کے حوالے سے اچھے اور بُرے خلفاء آتے رہے جس طرح کسی بھی طرزِ حکومت میں اچھے بُرے حاکم آسکتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی عوام کی اکثریت اپنے حکمرانوں سے مطمئن رہی اور حکومتیں عوام کی حفاظت ذمہ داری ادا کرتی رہیں اور اُنہیں ریلیف دینے میں کامیاب رہیں۔ یقیناً اگر پہلی منزل کو بھی محفوظ رکھا جاتا تو بُرے لوگوں کو حکمرانی کا موقع نہ ملتا اور عوام کی مزید بہتر انداز میں خدمت کی جاسکتی تھی۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان میں نظامِ خلافت اور خلیفہ کے لیے مجلس شوریٰ درکار ہوگی۔ یہ مجلس شوریٰ کیسے وجود میں آئے گی۔ آئندہ مجلس شوریٰ کی تشکیل کیسے ہوگی، اِس بارے میں اہلِ علم کے ہاں ایک سے زائد آراء ملتی ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنا موقف وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب ’’خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام‘‘ میں پیش کردیا ہے۔ اگر آپ کے پاس یہ کتاب نہ ہو تو ہم ارسال کردیں گے۔ آپ کو اپنے نویں نکتہ کا تفصیلی جواب بھی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب منہجِ انقلابِ نبویؐ میں مل جائے گا۔

آپ نے آخر میں فرمایا کہ دنیائے اسلام میں آج انقلاب اور اسلام کی لہر سے جمہوریت نظر آرہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اس تبدیلی سے عالم اسلام کے لیے خیر برآمد ہو البتہ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ ہمیں اس لہر کی پشت پر اسلام دشمن قوتوں کا ہاتھ بھی محسوس ہورہا ہے، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ نتیجہ اُن کی خواہشات کے مطابق نکلے۔ اِس لیے کہ دنیوی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو بالآخر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔ تاریخ میں کیسی کیسی طاقتور قومیں گزری ہیں، جنہوں نے دنیا میں شر کو مکمل طور پر غالب کرنا چاہا لیکن میرے رب نے جب چاہا اِسی شر سے خیر پیدا کردیا۔ یقیناً وہ علیم وحکیم اور غالب قوت کا مالک ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم پاکستان میں اُس کا عطا کردہ نظام لاسکیں۔ ہماری رائے میں اللہ کے نظام کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا اپنایا ہوا طریقہ اپنانا مناسب ہی نہیں لازم بھی ہے۔ وما علینا الا البلاغ

عاکف سعید

پاکستانی میڈیا:

ملک اور دین کا دوست یا......؟

ایک اہم موضوع پر فکر انگیز مذاکرہ

شرکاء: **ایوب بیگ مرزا، پروفیسر غالب عطاء، مومن محمود**

میزبان: وسیم احمد

سوال: دوسرے ممالک کا میڈیا اپنے ملکی اور قومی مفادات کا ہر صورت تحفظ کرتا ہے۔ آپ کے خیال میں کیا ہمارا میڈیا یہ کردار کر رہا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: جہاں تک ملکی مفادات کا تعلق ہے خواہ یہ مفادات سیاسی وعسکری یا مذہبی ومعاشی، میں سمجھتا ہوں کہ اِس ضمن میں ہمارے میڈیا خصوصاً انگریزی اور الیکٹرانک میڈیا کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض اوقات نہ صرف ملکی مفادات بلکہ ملکی سالمیت کو بھی داؤ پر لگا دیا جاتا ہے۔ بلوچستان کے مسئلے کو لے لیجئے۔ یہ مسئلہ ایک عرصہ سے چل رہا ہے۔ بلوچوں پر بہت مظالم ہوئے ہیں، جو نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ مگر اس حوالے سے ہمارے میڈیا کا کردار بہت گھناؤنا رہا ہے۔ جب پرویز مشرف کے دور میں اکبر بگٹی کو قتل کیا گیا تو میڈیا کا فرض تھا اس عمل کی بھرپور مذمت کی جاتی اور یہ مسئلہ پورے زور سے اُٹھایا جاتا، لیکن اس وقت کوئی خاص ردّعمل سامنے نہیں آیا، لیکن کچھ عرصہ پہلے جب پاکستان نے نیٹو کی سپلائی لائن بند کی اور CIA اور ISI کے تعلقات خراب ہوئے تب سے میڈیا اس مسئلہ کو بہت اُچھال رہا ہے۔ یعنی جب ہماری اسٹیبلشمنٹ کے امریکہ کے ساتھ تعلقات ٹھیک تھے، امریکہ کی طرف سے بلوچستان کے خلاف کوئی آواز نہیں اُٹھائی جارہی تھی، لیکن جونہی ان تعلقات میں خلیج پیدا ہوئی اور امریکہ نے اس مسئلے کو اُٹھایا تو ہمارے میڈیا نے بھی اسے ملک کا اہم ترین مسئلہ بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا اور اتنی چیخ و پکار کی جیسے اکبر بگٹی 5 سال پہلے نہیں بلکہ چند روز پہلے قتل ہوئے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ لوگ بلوچستان مسئلے پر آج سے پانچ، سات سال پہلے کہاں سوئے ہوئے تھے۔ اب امریکہ نے اس مسئلہ کو اُٹھایا ہے تو انہوں نے بھی چیخ و پکار شروع کر دی ہے، جیسے کسی نے جھنجھوڑ کر اُٹھا دیا ہو۔ اگر ہمارے میڈیا کو ملکی مفاد عزیز ہوتا تو وہ اس مسئلے کو پہلے Take up کرتا۔ آپ اپنی مذہبی روایات کے حوالے سے ہی میڈیا کا کردار دیکھ لیجئے۔ تحریک ناموس رسالت چلی۔ ایک بدبخت عورت ملعونہ آسیہ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو میڈیا نے اس عورت اور سلمان تاثیر کو یوں دکھایا جیسے دونوں ہیروں ہوں۔ سب جانتے تھے کہ سلمان تاثیر غیر قانونی طور پر ایک مجرمہ کو تھپکی دے رہا تھا یعنی سپورٹ کر رہا تھا۔ ہمارا میڈیا اس معاملے کو بہت آگے لے جاتا، لیکن سلمان تاثیر کو قتل کر دیا گیا، پھر تحریک ناموس رسالت بڑی زور سے چلی اور عوام نے اس میں پوری گرم جوشی کے ساتھ حصہ لیا، تب میڈیا پیچھے ہٹا، وگرنہ وہ اس مسئلہ پر بھی اسلام دشمن عناصر کا ساتھ دینے پر تل چکا تھا۔ اصل میں ہمارا میڈیا جس چیز پر مرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے پروگرام کی Rating کسی طرح بڑھ جائے۔ بیرونی ممالک میں میڈیا اپنی حکومتوں کا خارجی معاملات میں مکمل طور پر ساتھ دیتا ہے۔ اگرچہ داخلی معاملات میں کمی بیشی ہوتی ہے لیکن خارجی دفاعی معاملات میں آپ ان کو یکجا دیکھیں گے۔ ہندوستان کے تقریباً 206 اضلاع ایسے ہیں جن میں حکومتی رٹ نہیں ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ ان اضلاع کے لوگ انڈیا کے میڈیا پر آتے ہوں اور کہتے ہوں کہ ہم حکومت کے باغی ہیں۔ ہمارے میڈیا پر ملک اور ریاست کے باغیوں کے بیانات کو نمایاں انداز میں نشر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عورتوں اور انسانی حقوق کے معاملے کو بھی غلط انداز سے اُچھالا جاتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے غور کیا ہے کہ ہندوستان کی عورت جتنی مظلوم ہے، دنیا میں اتنی کوئی عورت مظلوم نہیں۔ ستی کی رسم ہندوستان کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ عورتوں کو جلا دیا جاتا ہے، لیکن ان کا میڈیا اس مسئلے کو نہیں اُٹھاتا، جبکہ ہمارا میڈیا جیسے ان چیزوں کی تلاش میں ہوتا ہے کہ ہم کس طرح دنیا کو بتائیں کہ ہم اتنے بُرے ہیں۔ ہمارے میڈیا کے وابستگان کو اس طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے۔

سوال: پروفیسر غالب عطاء صاحب! جیسے بیگ صاحب فرمارہے ہیں کہ محض اپنی Rating بڑھانے کی غرض سے ہمارا میڈیا ملکی مفاد کے خلاف کام کر جاتا ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ اس کے پس پردہ حقائق کیا ہیں؟

پروفیسر غالب عطاء: بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اس اہم موضوع پر بولنے کا موقع دیا۔ میں ایوب بیگ صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل میڈیا کی حیثیت ایک Commodity (سامان تجارت) کی ہے۔ اس کو جو خرید لے گا، میڈیا اس کے مفادات کا تحفظ کرے گا۔ جوں جوں میڈیا آزاد ہوتا گیا توں توں میڈیا کا وقت لوگوں نے خریدنا شروع کر دیا۔ آج کل میڈیا پر ایک ایسا پروگرام نشر ہو رہا ہے جس کے اینکر پرسن چینل سے ٹائم خریدتے ہیں۔ اس چینل کے مالکان کو اس ٹائم کے عوض جتنی رقم انہوں نے پہلے سے طے کر رکھی ہوتی ہے، دے دیتے ہیں اور باقی کمپنیوں کے ساتھ لین دین وہ خود کرتے ہیں۔ وہ اس پروگرام میں ایسے ایسے تجزیے پیش کرتے ہیں جس سے لوگوں میں مایوسی پھیلے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ امریکہ میں بلوچستان کے حوالے سے جو تین کانفرنسیں ہوئیں اُن کا انعقاد دو این جی اوز نے کیا۔ ان میں سے ایک کا نام ’’کارنیگی اینڈ اوومنٹ فار انٹرنیشنل پیس‘‘ ہے۔ آخر ہمارا میڈیا یہ سوال کیوں نہیں اُٹھاتا کہ اس این جی اوز کو ہزاروں میل دور بلوچستان کے معاملات میں انٹرنیشنل پیس کا کیا پہلو نظر آیا؟ بلوچستان میں 100 سے زائد قبائل آباد ہیں، لیکن این جی اوز نے صرف تین قبائل کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لیا ہے اور ان کو بھرپور سپورٹ کر رہے ہیں، ہمارے میڈیا نے یہ بات کیوں نہ اچھالی۔ اسی طرح اس بات کی تحقیق کیوں نہ کی کہ یہ چند قبائل کے راہنما آخر پاکستان

میں کیوں نہیں ہیں؟ اور یہ علیحدگی پسند تحریکیں بلوچستان کے فلور پر کہاں ہیں؟ ان کی جدوجہد کہاں ہے۔ جو شور وغوغا برپا کیا جارہا ہے اس کے اثرات ہمیں نظر آنے چاہئیں۔ وہاں پر تو مار دھاڑ اور قتل وغارت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہورہا۔ وہاں کوئی سیاسی تحریک نہیں چل رہی۔ بلوچستان کے حوالے سے کام کرنے والی دوسری این جی او ''ہیومن رائٹس واچ'' ہے۔ اُس کو بھی صرف بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالی نظر آرہی ہے۔ لیکن ہمارے میڈیا کو یہ سوال لازمی پوچھنا چاہیے تھا کہ ہیومن رائٹس واچ اس وقت کہاں تھی جب پچھلے دس سالوں سے ہم پر ڈرون حملے ہورہے تھے، جو تاحال جاری ہیں اور اس میں کتنے لوگ مارے جا رہے ہیں۔ پھر کشمیر میں انڈیا جو مظالم ڈھا رہا ہے اسے وہ کیوں نظر نہیں آتے۔ پھر ہیومن رائٹس واچ کو امریکہ میں ایک سال کے دوران 90 ہزار خواتین سے ریپ کے کیسز کیوں دکھائی نہیں دیتے۔ امریکہ میں خواتین کے ساتھ یہ سلوک دنیا بھر میں کسی بھی ملک میں سب سے زیادہ ہے، جبکہ پاکستان میں یہ تعداد تقریباً پانچ سے سات ہزار ہے۔ [پروفیسر صاحب، میں نے حال ہی میں پڑھا ہے کہ نیویارک لوکل ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ کے مطابق پچھلے سال صرف نیویارک شہر میں 83750 غیر قانونی اسقاط حمل کے کیسز ہوئے ہیں۔ (میزبان)] دلچسپ بات یہ ہے کہ ''ہیومن رائٹس واچ'' کو امریکہ میں مقیم ایک ہنگرین نژاد یہودی چلا رہا ہے۔ اس کا نام جارج سوروز ہے۔ (علامہ اقبال کے شعر کے مطابق فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے) 2010ء میں سوروز نے اس NGO کے ساتھ معاہدہ کیا اور کہا کہ وہ اُسے سو ملین ڈالر دے گا۔ ظاہر ہے، وہ صرف ڈالر ہی نہیں دے گا ایجنڈا بھی تو دے گا۔ جو شخص فنڈ دیتا ہے وہ ڈونر بن جاتا ہے اور NGO`s اس کے ایجنڈے کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔ بلوچستان کے معاملے میں کیوں یہ سوال نہ اُٹھایا گیا کہ آخر موجودہ قتل وغارت کی اس لہر کے پیچھے ہماری خفیہ ایجنسیاں ہیں یا یہ قتل عام سی آئی اے کے دفاتر کی وجہ سے ہورہا ہے۔ امریکہ نے سی آئی اے کے دفاتر کھولنے کی اجازت مانگی ہماری حکومت نے یہ اجازت دے دی۔ بلوچستان میں تمام دہشت گردانہ کارروائیاں اس غلط فیصلے کے نتیجے میں ہورہی ہیں۔ میڈیا نے آخر یہ سوالات کیوں نہ اُٹھائے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات میں خلافت فورم میں بتانا چاہوں گا۔ میرے کچھ دوست ہیں جو میڈیا میں اچھی پوزیشنوں پر کام کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ کے بے نامی اکاؤنٹس سے ہر ماہ کی 26 تاریخ کو چند اینکر پرسنز کے لیے خصوصی رقوم آتی ہیں۔ جو حضرات میڈیا کو عزت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اصل میں میڈیا ایک کموڈیٹی ہے جس کی آزادی نعروں کے علاوہ کچھ نہیں۔ شاتم رسول ملعون سلمان رشدی کو امریکہ میں بڑا ایوارڈ ہیومن رائٹس کے حوالے سے ملا ہے کیونکہ بقول اُن کے شاتم رسول نے آزادی اظہار رائے (Freedom of Expression) پر بڑا کام کیا اور آزادی اظہار رائے پر اس نے کیا کیا ہے؟ معاذ اللہ، معاذ اللہ اس ملعون نے رسولِ پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ جان لیجیے، اسلام میں اس کی کوئی اجازت نہیں کہ جو منہ میں آئے وہ کہہ دو، بلکہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر منہ سے کوئی بات نکالو تو بھلی بات نکالو، ورنہ خاموش رہو۔ یہاں تو بات اس کے بالکل اُلٹ ہے۔

سوال: زمینی حقائق کے مطابق ہمارے ملک کی اقتصادی حالت روزانہ نیچے جارہی ہے۔ ہمارے ملک میں بجلی ہے نہ پانی۔ عوام روز بروز غربت کی لکیر سے نیچے جارہے ہیں۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ٹی وی پر ایسے اشتہارات کی بھرمار ہے جن سے لگتا ہے یہاں انڈسٹری بہت ترقی کررہی ہے۔ معاشرے میں پائے جانے والے اِس تضاد کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

پروفیسر غالب عطاء: پاکستان میں 59 فیصد لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ پچھلے مالی سال (یعنی جون 2010ء سے جون 2011ء تک) ساڑھے آٹھ ہزار لوگوں نے خودکشیاں کیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ساڑھے آٹھ ہزار افراد کی خودکشی حکمرانوں کی نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتی کہ اُن کے مرجانے سے ان کو کوئی تکلیف یا پریشانی ہو۔ بدقسمتی سے ہمارا میڈیا اس پر بھی خاموش ہے۔ آپ نوٹ کریں کہ ٹیلی ویژن پر ایک طرف بریکنگ نیوز آتی ہے کہ ایک ڈرون حملہ ہوا ہے اور اس میں اتنے افراد شہید ہوگئے ہیں۔ پھر فوراً بعد ہی اگلی خبر آتی ہے کہ آج انڈیا میں فلاں اداکار یا اداکارہ کی نئی فلم لانچ ہوئی ہے۔ جب اخلاقی اقدار کا یہ حال ہوگا اور چیک اینڈ بیلنس نہیں ہوگا تو پھر تو معاشرے کی تمام اقدار منتشر ہوکر رہ جائیں گی۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی قوم کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اقتصادی اور اخلاقی طور پر مضبوط اور بحیثیت مجموعی اس کا سیاسی شعور بیدار نہ ہو۔

ایوب بیگ مرزا: اس حوالے سے میں عرض کروں گا کہ ہمارا ایک میڈیا گروپ آج کل عوام کو سوچنے کی بڑی دعوت دے رہا ہے۔ ذرا سوچئے! تو آج سے 5 سال پہلے پرویز مشرف کے دور میں اس ذرا سوچئے مہم سے کیا برآمد ہوا ''حقوق نسواں بل'' اور اب یہ بات ثابت بھی ہوچکی ہے کہ امریکہ کی طرف سے اس بل کے حوالے سے بہت پریشر تھا حالانکہ حقوق نسواں بل کے حوالے سے پاکستان کی تمام دینی اور حکومت کی اتحادی جماعتوں نے کہا تھا کہ یہ بل صریحاً خلاف شریعت ہے۔ ایک ٹی وی چینل کے ذریعے عوام کی ذہن سازی کے لیے ''ذرا سوچئے!'' کے عنوان سے کئی روز تک لابنگ کی جاتی رہی۔ نتیجتاً حقوق نسواں بل منظر عام پر آیا۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ Establishment نے ظلم صرف بلوچستان میں نہیں کیے، بلکہ اس نے مظالم جنوبی وزیرستان اور سوات میں بھی بہت کیے۔ اس وقت میڈیا نے فوج کا ساتھ دیا یا ان لوگوں کا ساتھ دیا جنھیں فوج نے قطاروں میں کھڑے کر کے گولیاں ماری تھیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ جو بات خلاف اسلام ہوتی ہے، ہمارا میڈیا اس کو کوریج دیتا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا خصوصاً انگلش پرنٹ میڈیا پر اس وقت سیکولر عناصر چھائے ہوئے ہیں اور یہ دونوں یہودیوں کے ایجنڈے کی تکمیل کررہے ہیں۔ مزید یہ کہ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے میں امریکہ نے کردار ادا کیا تھا۔ ہمارے میڈیا نے کبھی یہ بات نہیں اُٹھائی کہ امریکہ نے ہم سے یہ دشمنی کیوں کی؟

سوال: مغربی اقوام یک طرح سے ''میڈیا گائیڈڈ سوسائٹی'' بن چکی ہیں یعنی جس طرف میڈیا انھیں لگاتا ہے وہ ادھر لگ جاتے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ بھی ان کی دیکھا دیکھی ''میڈیا گائیڈڈ سوسائٹی'' تو نہیں بن گیا؟

ایوب بیگ مرزا: یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر آپ ایک عبارت دیوار پر لکھیں اور اسے روز پڑھتے رہیں تو یہ عبارت آپ کی شخصیت پر اثرانداز ہوجائے گی، اگرچہ ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ انھیں اس طرح میڈیا پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں، وہی میڈیا جو کل فوج کے گن گاتا تھا اور اس کے بارے میں کوئی لفظ نہیں کہتا تھا، آج فوج اور ایجنسیوں کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی اور ہے جو اس میڈیا کی ڈور کو ہلا رہا ہے اور جو اپنا

ایجنڈا دے رہا ہے اور ہمارے میڈیا کے لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ ہمارے عوام اس حوالے سے زیادہ بھولے بھالے ثابت ہوئے ہیں کہ جو بات سنی اس پر یقین کر لیا۔ اس لیے ہم اپنے اس پروگرام کے ذریعے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ جو کچھ سنیں اس کی چھان پھٹک کریں۔ اسے دیکھیں کہ آج یہ شخص یہ کہہ رہا ہے، اس سے پہلے یہ بات یوں آ رہی تھی، تو کیا ایسا ملکی مفاد کے تحت ہو رہا ہے، یا کسی اور کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

سوال: مومن محمود صاحب، آج کل ٹی وی چینلز پر Investigative reporting کے نام پر جس طرح کے پروگرام نشر ہو رہے ہیں اور جس انداز میں انھیں dramatize کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے جرم سے نفرت نہیں رغبت بڑھ رہی ہے۔ اس حوالے سے دین ہمیں کیا راہنمائی دیتا ہے؟

مومن محمود: (بذریعہ ویڈیو لنک) ہمارے دین میں خبروں کے بارے میں واضح احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجرات میں ارشادِ ربانی ہے، (ترجمہ) ’’جب تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔‘‘ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر کسی سے خبر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ’’کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔‘‘ پہلی بات یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کرنا منع ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہر خبر ہر کسی کے لیے نہیں ہوتی۔ یعنی یہ نہیں کہ جو بھی خبر ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں آیا ہے کہ جب ان کے پاس امن کا معاملہ آتا ہے یا خوف کا تو وہ نشر کر دیتے ہیں اور کہا گیا کہ اگر وہ اس خبر کو رسول ﷺ کی طرف یا اولو الامر کی طرف جو معاملات کو پہچاننے والے ہیں ریفر کر دیتے تو وہ جان لیتے کہ اس میں سے کیا باتیں نکالی جاسکتی تھیں۔ گویا ہمارے دین میں یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہر خبر ہر ایک کے لیے نشر کر دی جائے۔ مثال کے طور پر دین کرائم رپورٹنگ اور فحش واقعات کے بارے میں بالکل نہیں چاہتا کہ وہ معاشرے میں زبان زدِ عام ہوں اور لوگ ان پر گفتگو کریں اور اُن کو پڑھیں۔ کسی شخص پر زنا کی تہمت لگانے پر شرائط بہت سخت رکھی گئی ہیں، تاکہ وہ شخص اگر کسی کو دیکھ بھی لے کہ اس نے زنا کیا ہے، تب بھی وہ اس سے متعلق گفتگو نہ کر سکے، جب تک اس کے پاس واضح دلائل نہ ہوں، یعنی چار گواہ۔ اسی طرح اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی برائی میں مبتلا ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ کے قبضے میں آ جائے، لوگوں کو نہ بتائے۔ میڈیا کے لوگ ہر وقت کھود کرید میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی پوشیدہ خبر ہمیں مل جائے۔ اس کی نبی کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے کہ مسلمانوں کی پوشیدہ چیزوں یا خبروں کے پیچھے نہ پڑو، جو مسلمانوں کے عیب تلاش کرنے کے پیچھے پڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب تلاش کرے گا اور جس کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں بھی رسوا کر دے گا۔ پس ہر خبر پھیلانے کی نہیں ہوتی بلکہ اُسے اولوالامر کی طرف ریفر کر دیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی مظلوم ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مظلومی پوری دنیا کو بتاتا پھرے بلکہ اس شخص کو بتائے جو اس ظلم کو دور کر سکتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ’’اس شخص کے لیے بربادی ہو جو شخص جھوٹ اس لیے بولتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے۔‘‘ اس حکم میں یہ لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو سننے یا پڑھنے والے ہیں، ان میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک ان خبروں اور پروگراموں سے عبرت حاصل نہیں کرتا بلکہ کچھ لوگوں کو کسی گناہ کے بارے میں معلوم بھی نہیں ہوتا اور پڑھتے یا دیکھتے ہیں تو ان کی سمجھ میں آتا ہے، اچھا یہ طریقہ بھی ہے اور اس میں وہ خامی دیکھ لیتے ہیں کہ اچھا اس سے بچنا ہے اور اب آئندہ اس طریقے پر اس کو کریں گے۔ پھر آپ یہ دیکھیں کہ جب معاشرے میں گناہوں کا چرچا عام ہو جائے تو گناہوں کی شناعت کم ہو جاتی ہے۔ منکر ہونے کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ہم روزانہ اخبار پڑھتے ہیں اور اس قسم کے واقعات پڑھتے ہیں اور میڈیا پر سنتے ہیں۔ ظاہر ہے، جو منکر کی شناعت دل میں ہونی چاہیے اِس سے وہ آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے اور انسان مزید جری ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے بارے میں خبر تھی وہ مشہور ہو جاتا اور اپنے گناہ پر اور جری ہو جاتا ہے۔ اب اسے کوئی شرم یا عار محسوس نہیں ہوتی۔ میڈیا کا یہ طرزِ عمل بہت ہی گھناؤنا ہے۔

سوال: جن پروگراموں کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ اس بولڈ انداز میں فلمائے جاتے ہیں کہ اس سے فحاشی کا عنصر بہت نمایاں ہو رہا ہے۔ فحاشی کے بارے میں ہمارے دین میں کیا احکامات ہیں؟

مومن محمود: میڈیا کے ان اثرات کی وجہ سے بے حیائی اور فحاشی کی تعریف بدل گئی ہے اور اسلامی نہیں رہی۔ مثال کے طور پر آپ کسی سے پوچھیں کہ فلاں مووی صاف ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گا کہ ہاں صاف ہے، حالانکہ وہ شریعت کی نقطۂ نگاہ سے بالکل صاف نہیں ہو گی۔ یعنی بے حیائی اور فحاشی کے عام ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف ہی بدل چکی ہے۔ میڈیا میں دو چیزوں میں فحاشی کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ ایک اشتہارات ہیں کہ ان میں عورت جب تک بے لباس نہ ہو ان کی کوئی چیز بکتی نہیں ہے۔ یعنی جب تک انسان کے جنسی جذبات کو ابھارا نہ جائے تب تک کوئی اشتہار بنتا ہی نہیں۔ دوسرے ڈرامے ہیں۔ ان میں جو سین دکھائے جاتے ہیں وہ ہر صورت میں ناجائز ہیں بلکہ اس سے بہت کم تر بھی ناجائز ہیں۔ قرآن مجید میں صرف زنا ہی سے بچنے کا نہیں کہا گیا بلکہ کہا گیا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی زنا کی طرف لے جانے والی شاہراہوں کو بھی بند کر دیا جائے۔ اس کو شریعت میں ’’سدِ ذرائع‘‘ کا فلسفہ کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے کہ ’’بے شک وہ لوگ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ فحش کام مسلمانوں میں عام ہو جائیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔‘‘ اسی طرح مسلمان عورت کو گھر سے بلا ضرورت نکلنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ حکم دیا گیا کہ کوئی بھی مسلمان عورت اور مرد تنہائی میں اکٹھے نہ ہوں کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو ان میں تیسرا شیطان ہی ہو گا۔ غور کیجیے، جب آپؐ یہ بات فرما رہے تھے تو آپؐ کے اولین مخاطب صحابہ کرام ؓ تھے۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ پردہ تو دل کا ہوتا ہے اور حیا تو آنکھوں کی حیا ہوتی ہے۔ گویا یہ لوگ زبانِ حال سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) ہم صحابہ سے زیادہ حیادار ہیں۔ صحابہؓ اور صحابیات کو تو احتیاط اور پردے کی ضرورت تھی، ہمیں نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ بہرحال پچھلے دس سالوں میں ملک میں بے حیائی اور فحاشی کا جو سیلاب آیا ہے اس کا سب سے بڑا سبب میڈیا ہے۔ میڈیا ہر وہ شے دکھا رہا ہے جو شریعت میں جائز نہیں ہے۔

(قارئین! اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے اور
Youtube.com/khilfatforum
پر دیکھی جاسکتی ہے۔)

☆☆☆

اشارہ

ملا مسکین

یہ لطیفہ آپ نے بار بار سنا اور کئی دفعہ پڑھا ہوگا کہ ایک میراثی کے بیٹے نے باپ سے ضد کر دی کہ وہ اس کے لیے گاؤں کے چودھری کی بیٹی کا رشتہ مانگے۔ باپ نے بہت سمجھایا کہ بیٹا، ہم چودھری کے گھر ''بیٹی'' نہیں ''روٹی'' مانگنے جایا کرتے ہیں اور چودھری کی بیٹی کا رشتہ مانگ کر اپنی ''ہستی'' نہیں کرا سکتے، لیکن بیٹا دل کے ہاتھوں مجبور اپنی ضد پر قائم تھا۔ باپ چار و ناچار چودھری کے گھر گیا۔ چودھری نے دروازے پر کھڑے کھڑے پوچھ لیا: ''مانگ! کیا مانگتا ہے؟'' میراثی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ ''عرض مدعا'' شروع کر دی۔ میراثی کی زبان سے ''رشتے'' کا لفظ سن کر ہی تنومند چودھری کو جیسے آگ لگ گئی۔ پھر کیا تھا؟ اس پر جھپٹا۔ ضرب یضرب کی گردان شروع کر دی اور گھونسوں اور لاتوں کا جی بھر کے استعمال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ادھ موا ہو کر میراثی زمیں بوس ہو گیا۔ پھر وہ درد سے کراہتا ہوا اُٹھا اور چودھری کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ''تو چودھری جی! میں اسے آپ کی طرف سے انکار سمجھوں؟''

ہمیں یہ لطیفہ آج امریکا کے صدر عالی قدر جناب بارک اوباما کا یہ بیان پڑھ کر یاد آیا: ''قرآن کی بے حرمتی پر افغانوں کا ردِعمل اس بات کا اشارہ ہے کہ افغانستان سے امریکا کے انخلا کا وقت آ چکا ہے۔''

یعنی دس سال تک افغانوں کے ہاتھوں اپنی درگت بنانے کے بعد امریکی صدر کو افغانوں کا ''اشارہ'' سمجھ آیا ہے اور اب وہ کہہ رہے ہیں کہ افغانوں نے انہیں اپنا ہاتھ دینے سے ''انکار'' کر دیا ہے۔ ابھی تک وہ اس خوش فہمی میں تھے کہ افغانستان کے عوام نے انکل سام کی رشتہ داری قبول کی ہوئی ہے بلکہ وہ اسے اپنا ''خاندانی سرپرست اعلیٰ'' تسلیم کر چکے ہیں۔ امریکی حکام کی آمد و رفت چونکہ بالعموم کابل تک محدود رہتی ہے اس لیے وہ وہاں اپنے آگے دم ہلانے والے حامد کرزئی جیسے چند آلۂ کاروں کو دیکھ کر شاید یہ سمجھنے لگتے تھے کہ شاید پورا افغانستان ان کے لیے مسخر ہو گیا ہے اور انہوں نے پوری افغان قوم کو ڈالروں کی چمک سے مسحور کر دیا ہے۔ رہ گئے طالبان! تو وہ کب تک پہاڑوں پر رہ کر بسیرا کرتے رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن انہیں امریکی طاقت و جبروت کے سامنے ہتھیار پھینکنے پڑیں گے۔

لیکن یہ کیا؟ بگرام کے ہوائی اڈے پر قرآن جلائے جانے کے ''معمولی سے'' واقعے کے بعد پورا افغانستان یکدم دہکتا ہوا انگارہ بن گیا اور شمال سے لے کر جنوب تک سارے افغان ''طالبان'' بن گئے۔ ہر طرف سے ''مرگ بر امریکا'' کے نعرے لگنے لگے۔ افغانستان میں امریکی افواج کی نفری میں 30 ہزار کا اضافہ کر کے افغان قوم کو شکست دینے کا خواب دیکھنے والے امریکی صدر بارک اوباما کو اب سمجھ آ گئی کہ ''کام خراب ہے'' اور اب افغانستان سے بچی کھچی لنگوٹی سنبھال کر نکلنے میں ہی عافیت ہے!

مزے کی بات یہ ہے کہ امریکی صدر نے افغانستان سے انخلا کی بات کرتے ہوئے طالبان سے مذاکرات کا کوئی حوالہ نہیں دیا، جس کا حالیہ دنوں بہت چرچا تھا۔ جن دنوں قطر میں مذاکرات ہو رہے تھے، ہمارے دوست مسٹر کلین ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے امریکا جنگ میں تو طالبان کو شکست نہیں دے سکا، لیکن مذاکرات کی میز پر ضرور ان کو مات دے دے گا کیونکہ طالبان اتنے سیدھے سادھے ہیں کہ وہ سفارتی امور کی باریکیوں کو نہیں سمجھیں گے اور امریکا اس بہانے سے ان کو گھیر لے گا۔ میں نے عرض کیا یہ امریکا کی بھول ہو گی کیونکہ جس طرح جنگ افغانوں کی تاریخ اور نفسیات کا لازمہ ہے، بالکل اسی طرح ''جرگہ'' بھی ان کی تاریخ، کلچر اور نفسیات میں شامل ہے۔ انہیں سفارتی امور کی بعض جدید باریکیوں کا پوری طرح کا ادراک نہ بھی ہو تو جرگے میں اپنے مفادات کے تحفظ کے ''قدیم طریقے'' یاد ہیں، جو امریکیوں کو خواب میں بھی نہیں آتے!

(بشکریہ ہفت روزہ ''ضربِ مومن'')

بقیہ: حل کیا ہے؟

یہ سب کیسے نافذ ہوگا، کون کرے گا، آج کے دور میں یہ کیسے ممکن ہے۔ آج کے دور کے طرز انتخاب میں اگر اگلے دو سو سال بھی لگے رہیں تو اسلام کا منشا و مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ یہ جمہوری نظام چند طبقات کے تحفظ کے لیے پیدا کیا گیا جو اسے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ تبدیلی اور انقلاب جمہوریت کی ضد ہے۔ غنڈوں کا قبضہ کسی شہر پر اس شہر کے سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر کرا دیں تو پہلے وہ قبضہ چھڑوانا ضروری ہے۔ قبضہ چھڑوا لیا تو پھر۔ یہاں پر وہ سب سے بڑا خلا ہے جو پوری مسلم امت میں نظر آتا ہے۔ امریکہ میں 1300 تھنک ٹینک ہیں جو پالیسیاں بناتے ہیں، قانون کی تدوین کرتے ہیں، تبدیلی کے مطابق چیزیں بہتر بنانے کے لیے لائحہ عمل بناتے ہیں۔ مسلم امہ میں نظریاتی سطح پر بہت کچھ لکھا جا چکا۔ اب ضرورت ہے ایک ایسے تھنک ٹینک کی جو محنت کے ساتھ مسلم امہ کے آئین کا خاکہ تیار کرے، معاشی نظام، بنک کے طریق کار، ضابطہ فوجداری اور دیوانی سے لے کر ایک ایک قانون کو شق وار مرتب کرے۔ جس میں سب ماہرین اس امت کے اہم دماغوں کی سربراہی میں یہ سب کام سرانجام دیں۔ تاکہ اگر ایک دفعہ کسی ریاست سے غنڈوں کا قبضہ چھڑوا لیا جائے تو یہ سب نافذ کرنے کے لیے ایک لمحے کی بھی دیر نہ ہو۔

ضرورت رشتہ

ارائیں فیملی کو اپنی دو بیٹیوں عمریں 24 سال، (بی اے) اور 21 سال حافظہ قرآن (آئی کام، گرافک ڈیزائننگ، کمپیوٹر کورسز) کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ: 0323-4987468

دعائے صحت کی اپیل

- تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے دیرینہ منفرد رفیق حضرت گل اُستاد کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے
- تنظیم اسلامی پشاور غربی کے رفیق فیاض احمد کے والد صاحب روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئے ہیں

اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ رفقاء اور قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی حلقہ مالاکنڈ کے زیر اہتمام فہم دین پروگراموں کا انعقاد

تنظیم اسلامی حلقہ مالاکنڈ کے زیر اہتمام گزشتہ ماہ تیمر گرہ اور سوات میں چند مقامات پر فہم دین پروگراموں کا انعقاد کیا گیا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تیمر گرہ:

مبتدی رفیق اسرار الدین کے مکان پر فہم دین کی نشست ہوئی، جس سے جناب نبی محسن نے خطاب کیا۔ انہوں نے دین کا جامع تصور، فرائضِ دینی اور انقلاب کا نبوی طریق سامعین کے سامنے واضح کیا۔ بعد ازاں شرکاء میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ اس پروگرام میں 4 رفقاء اور 22 احباب نے شرکت کی۔ اگلے دن نقیب اسرہ احسان اللہ کے مکان پر فہم دین پروگرام ہوا۔ پروگرام سے پہلے دو مساجد میں احباب کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس پروگرام میں 20 احباب اور 5 رفقاء نے شرکت کی۔ متذکرہ بالا موضوعات پر جناب گل محمود اور نبی محسن نے مدلل اور مؤثر انداز میں گفتگو کی۔ فہم دین کا تیسرا پروگرام نقیب اسرہ تیمر گرہ شاکر اللہ کے محلہ کی مسجد میں منعقد ہوا، جس میں متذکرہ موضوعات پر گل محمود اور راقم نے مفصل گفتگو کی۔ اس پروگرام میں 5 رفقاء اور 16 احباب شریک ہوئے۔ پروگرام کے اختتام پر شرکاء میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ فہم دین کا چوتھا پروگرام نقیب اسرہ محمد یاسین کے ہاں مسجد میں منعقد ہوا۔ ممتاز بخت نے فرائضِ دینی اور انقلاب کے نبوی طریقہ کار پر گفتگو کی۔ اس پروگرام میں 4 رفقاء اور 10 احباب نے شرکت کی۔

سوات:

سوات میں نقیب اسرہ غالیگے (ضلع سوات) حبیب علی نے رفقاء تنظیم علی شیر اور محمد صدیق کے تعاون سے سات مقامات پر فہم دین پروگرام کیے، جن میں ایمان، دین کا جامع تصور، فرائضِ دینی اور اسلام کے نظام عدل کے قیام کے لیے نبوی طریقہ کار پر مؤثر اور مدلل انداز میں گفتگو کی۔ ان پروگراموں میں 8 رفقاء اور 360 احباب نے شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ (آمین) (مرتب: احسان الودود)

تنظیم اسلامی حلقہ جات کراچی شمالی و جنوبی کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

تعلیمی اداروں میں موسیقی کے پروگراموں کی ممانعت کے حوالے سے پنجاب اسمبلی میں پیش کردہ قرارداد واپس لینے اور اور ویلنٹائن ڈے منانے کے خلاف تنظیم اسلامی کے حلقہ جات کراچی شمالی و جنوبی کے زیر اہتمام 13 فروری کو کراچی پریس کلب کے باہر ایک احتجاجی مظاہرہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں تنظیم اسلامی کے ردِّعمل اور مؤقف سے صحافی برادری اور دیگر حاضرین کو آگاہ کیا گیا۔ رفقاء کی ایک بڑی تعداد مقررہ وقت سے قبل ہی کراچی پریس کلب کے سامنے جمع ہونا شروع ہوگئی تھی۔ ساڑھے تین بجے رفقاء نے پلے کارڈز، بینرز اور ڈسپلے کے ذریعے احتجاج کا آغاز کیا۔ ایک ٹرک پر تنظیم اسلامی کے قائدین بشمول نائب ناظم اعلیٰ، امراء حلقہ جات اور مقررین موجود تھے۔ پروگرام کے آغاز میں ناظم دعوت حلقہ کراچی شمالی عامر خان نے اس احتجاج کے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آج تنظیم اسلامی کی رفقاء صحافی برادری اور عوام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنے آئے ہیں کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں بے حیائی کو کنٹرول کیا جائے۔

سب سے پہلے امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی حافظ نوید احمد کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مظاہرین اور صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب اسمبلی نے پہلے ایک قرارداد پیش کی، جس میں طالبات کی ہلاکت کے بعد کی صورت حال کے تناظر میں تعلیمی اداروں میں میوزک پروگرام پر پابندی لگائی گئی، لیکن جلد ہی اس پر یوٹرن لے لیا اور نئی قرارداد پاس کر ڈالی، جس کے ذریعے تعلیمی اداروں میں اس طرح کے بے حیائی کے پروگراموں کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ اسی طرح اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں ویلنٹائن ڈے کے نام پر بے حیائی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کو ایک ساتھ رات گزارنے کے لئے رعایتی پیکیجز مشتہر کیے جا رہے ہیں۔ کوئی بھی مسلمان بے حیائی کے اس کھلم کھلا فروغ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے محبت کے تقاضے کچھ اور ہیں اور ہمارا طرزِ عمل اس کے یکسر خلاف ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ صرف کسی مظاہرہ میں شامل ہونے سے ہماری ذمہ داری ادا نہیں ہوگی، بلکہ ہمیں کسی اجتماعیت میں شامل ہو کر اسلام کے نظام عدل کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا ہوگی، تاکہ اس قسم کی بیہودگی کا مکمل سدباب کیا جاسکے۔

مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے ناظم حلقہ کراچی شمالی شجاع الدین شیخ نے کہا قبل ازیں ہم نے سیرت النبی ﷺ کے پاکیزہ اور بابرکت حوالے سے جلسے کیے، جلوس نکالے، چراغاں کیا، میڈیا پر پروگرام کیے، وقت اور مال صرف کیا اور اب بے حیائی کو نئے انداز سے پروموٹ کر رہے ہیں۔ 5 فروری کو ہم نے نبی اکرم ﷺ سے محبت کے دعوے کیے مگر یہ کیسی محبت ہے کہ آپؐ نے حیا کی تعلیم دی اور ہم 14 فروری کو بے حیائی کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ ایک مسلمان قوم سینٹ ویلنٹائن کا دن منا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا، مگر ہم اسلام سے کھلم کھلا روگردانی کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے مطابق حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ جب حیا رخصت ہو جاتی ہے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ برائی کا انسداد ہم سب کی ذمہ داری ہے، کیونکہ حدیث کے مطابق ہم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عوام سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کس طرح کی، اساتذہ کو جواب دینا ہوگا کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کی یا نہیں۔ حکمرانوں سے ان کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا اور صحافیوں سے ان کی ذمہ داری کے بارے میں کہ انہوں نے فروغ دین کے لئے کیا کام کیا۔ آج یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس آواز کو تمام لوگوں تک پہنچائیں۔ خدارا، میڈیا کی طاقت کو پہچانیں۔ ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ ہم اپنی عزت و ناموس کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر رہے ہیں اور مغرب کے حواس باختہ کلچر کو رائج کر کے عزت و ناموس کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ ہمیں اس کافرانہ اور مشرکانہ رسم کی نقالی چھوڑ کر اسلام کی تعلیمات کو اپنانا چاہیے اور اس مقصد کے لئے کسی دینی اجتماعیت میں شامل ہو کر نظام کے بدلنے کی جدوجہد میں شامل ہونا چاہیے۔ آخر میں حافظ نوید احمد نے دعا کرائی، جس پر اس مظاہرہ کا اختتام ہوا۔ اس مظاہرہ میں دونوں حلقہ جات سے 350 رفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب: عطاء الرحمٰن عارف)

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی پشاور صدر کے نقیب محمد یاسر حلیم کے چچا بقضائے الٰہی وفات پا گئے
- انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے رکن ڈاکٹر سعید احمد کی والدہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں
- رفیق تنظیم محمد فاروق ثاقب کے ہم زلف اور انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے رکن حاجی غلام ابراہیم کا بیٹا وفات پا گیا
- تنظیم اسلامی حلقہ سکھر کی مقامی تنظیم صادق آباد کے ناظم بیت المال نذیر احمد کی ہمشیرہ انتقال کر گئیں
- مقامی تنظیم سکھر کے امیر عرفان طارق کے سسر انتقال کر گئے
- حلقہ کراچی جنوبی کی تنظیم اولڈ سٹی کے ملتزم رفیق محمد نعمان کی ممانی صاحبہ گزشتہ دنوں انتقال فرما گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتك وحاسبه حسابًا یسیرًا

the last general elections have just emerged; the American politics has reached a level where the coming elections are already being dubbed as the most expensive elections in American history; the Eurozone is in deep crisis stemming from mismanagement and corruption, and the recent manhandling of the Occupy Wall Street rage has once again drowned the voices of the downtrodden. In short, the moral, financial, and political corruption in the West is systematic, institutionalized and beyond any repair.

This neither justifies the state of the Muslim world nor is this context provided for that purpose; it is simply to state some basic facts for the sake of those who idealized the state of the western world in order to vilify that of the Muslim world.

To return to the main question: is the Muslim world disintegrating through internal strife, violence, corruption, mismanagement and depravity of its rulers or is the present state an indication of a great awakening which will produce better societies in many Muslim countries?

Taking the case of the Arab awakening, one can hope that it marks the end of a certain era of the post-colonial phase of improvement of these societies. There are no quick fixes to the ingrained fault lines, but the awakening of the Arab masses is a hopeful sign of the first major change since the nineteenth century. This awakening is still partial and is geographically limited, but it has potential that did not exist before.

The case of Pakistan is also potentially that of emergence of a new era through a massive reordering of its political map in the next decade. Afghanistan, likewise, is poised to emerge from three decades of war and destruction after the Americans depart, which they will sooner than later.

Likewise, Iranian leadership is tactfully and actively engaged with a situation emerging from the post-Revolution internal strife and discord that is partially the result of failure of the leadership and partly that of external plots against it.

Iran stands at the crossroads and whatever happens there during the next two years may very well have a critical role in shaping the entire region bordering it. In this response, the results of the parliamentary elections to be held today (March 2, 2012) will be of great importance. The next milestone is the presidential election scheduled for June 2013. Today's elections would have a direct effect on the presidential elections and both will together shape the new political map of Iran.

Hence, the answer to the critical question noted above is a clear yes: there are great changes on the horizon and the present strife is not death pangs of a dying polity but the growing pains of a new political order.

(*Courtesy: daily "The News"*)

بسلسلۂ سالانہ محاضراتِ قرآنی

جدید مغربی مفکرین کی فکری ساخت

مغرب کی اسلام دشمنی کے عناصرِ ترکیبی

محسنِ انسانیت ﷺ کی شان میں گستاخی۔ کیوں؟

ان اہم سوالات کے جوابات اور اُمتِ مسلمہ کے لیے درست لائحہ عمل کے حوالے سے

خصوصی لیکچر بعنوان

دانشِ فرنگ پر اسلام کا ہوّا، استشراقِ جدید اور جناب رسالت مآب ﷺ

Islamophobia, Neo-Orientalism, and the Prophet (SWS)

23 مارچ 2012

بروز جمعۃ المبارک

(نماز مغرب کے فوراً بعد)

بمقام

قرآن آڈیٹوریم

191۔اے، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

ہو رہا ہے۔

مقرر:

ڈاکٹر منور اے انیس

مصنف و مفکر، ڈائریکٹر سنٹر فار گلوبل ڈائیلاگ، UMT لاہور

مہمانِ خصوصی:

ڈاکٹر مجاہد کامران

وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

برائے رابطہ و معلومات: شہرام اقبال، ریسرچ ایسوسی ایٹ، قرآن اکیڈمی فون: 042-35869501-3,03214406582

زیر اہتمام: مرکزی انجمن خدام القرآن، K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور

MUSLIMS CIRCA 2012

Syria is bleeding; Afghanistan is in convulsions; Pakistan is facing internal collapse through mismanagement, corruption, random violence and insurgency in Balochistan. Most of the Arab world is under the tight control of dictators. Turkey is being chipped away, bit by bit, through sale of its air and water, natural resources and bandwidths --- even land is now up for grab.

The Muslim West (Algeria, Morocco, Tunisia) is in a perpetual state of oppression. Iran has been isolated by the western powers, possibly as the next locale of aggression, and its economy is deteriorating, though not collapsing, despite sanctions. Bangladesh, the land of corruption and internal strife, remains perpetually on the brink of collapse. Indonesia and Malaysia have a glimmer of hope but underneath the smooth surface, there are huge tensions. This is the state of the Muslim world fourteen hundred and thirty-three years after the Hijrah of the noble Messenger from his native Makkah to Madinah where he established the first Islamic state.

Terrible as it is, the current state of the Muslim world needs to be placed within a context. That context is the year 2012, which corresponds to the year 1433 after the Hijrah, the year of formation of the first Muslim state. As opposed to the unsubstantiated popular belief, idealism and nostalgia, that first Islamic state in Madina was not without its own problems, internal strife, deep divisions and moral issues.

No human state has ever been. There were hypocrites who plotted against the state. They even constructed a masjid in the ninth year of Hijrah, that is, almost a year before the demise of the Prophet Ç, which is mentioned in the Quran as a mosque constructed to divide the believers. In the same year, there was even a plan to kill the Prophet Muhammad Ç on his way back from the Tabuk expedition. It was in that same --- sometimes idealized state --- that except for twelve persons, the entire congregation left the Prophet Ç standing by himself while he was delivering the Friday sermon because of the arrival of a trading caravan --- an event mentioned in Q 62:11.

This shows that at no point in their history, have the Muslims lived in any ideal society, for it is impossible to have a society free of strife; **such is the human condition. We are not angels and there are all kinds of disruptive forces in action against us, both from within us and externally.** The question of context, therefore, has to be established in real time, against the background of Muslim history in a real sense.

Viewed in context, the most important aspect of the present state of the Muslim world is its general direction: is it going upward or downward? The immediate knee-jerk reaction would be to say: it is going downward and all the bloodshed and violence will apparently justify it. But when seen in a broader context, the situation is the inverse. But before we investigate that, let us make a brief note of the current situation of the West in the same general way in which the question has been initially framed.

The system which has produced the contemporary western world is no better than the contemporary state of the Muslim world: the so-called liberal democracy is collapsing from within. The dirty tricks of the ruling party during

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی وعصری علوم کی منفرد دانش گاہ

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

کُلیۃ القرآن

(قرآن کالج)

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

بورڈ/یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ
درسِ نظامی کا مکمل نصاب

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

خصوصیات

- ☆ تجربہ کار، اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین
- ☆ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری و عملی رہنمائی
- ☆ تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام
- ☆ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بہترین مواقع
- ☆ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
- ☆ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
- ☆ خوبصورت عمارت اور کلاس رومز
- ☆ کمپیوٹر لیب ☆ بہترین اور مکمل لائبریری
- ☆ کانفرنس اور مذاکرہ ہال
- ☆ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
- ☆ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
- ☆ خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق
- ☆ طلبہ کی تدریسی ضروریات پوری کرنے میں معاونت
- ☆ وقت کا موثر استعمال
- ☆ مواقع تفریح کی فراہمی

قیام وطعام کی سہولت موجود ہے

نشستیں محدود ہیں!

مڈل کے امتحان کے نتائج کے منتظر طلبہ بھی درخواست جمع کرا سکتے ہیں

مقامی و دیگر شہروں کے طلبہ کے لیے درجہ اولیٰ وثانیہ (میٹرک) اور ثالثہ میں نئے تعلیمی سال کے داخلے جاری ہیں

دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:

- کراچی: قرآن اکیڈمی، DM-55 درخشاں، خیابانِ راحت، فیز6، ڈیفنس کراچی فون: 3-(021)5340022
- پشاور: A-18 ناصر مینشن، شعبہ بازار، ریلوے روڈ نمبر 2۔ فون: 2214495 (091)
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 25 آفیسرز کالونی فون و فیکس: 6520451(061)
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی روڈ، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: 8520869(041)
- اسلام آباد: 31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 8/4-1 فون: 4434438(051)

معلوماتِ داخلہ

- ☆ نئے سال کے لیے داخلہ کے خواہش مند طلبہ 15 مارچ سے کلیۃ القرآن آفس سے داخلہ فارم اور انٹری ٹیسٹ کے لیے سلیبس وصول کر سکتے ہیں۔
- ☆ داخلہ کے لیے انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس کرنا لازمی ہے۔ 26 مارچ کو انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو ہوگا۔
- ☆ مزید معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن یا نائب ناظم سے رابطہ کریں!
- ☆ امسال شوال میں داخلے نہیں ہوں گے۔

شرائطِ داخلہ

- ☆ درجہ اولیٰ کے لیے متوسطہ یا مڈل پاس، ثانیہ کے لیے نہم اور اولیٰ پاس اور ثالثہ کے لیے وفاق المدارس سے عامّہ اور بورڈ سے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔
- ☆ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
- ☆ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا سابقہ مدرسہ سے تصدیق نامہ
- ☆ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
- ☆ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

برائے رابطہ

ناظم اعلیٰ کُلیۃ القرآن (قرآن کالج)

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35833637-35860024(042)
فیکس: 35834000(042)، ای میل: irts@tanzeem.org